باب ششم

بازگشتِ دختر

اس نے دیکھا.....

بھوری لکڑی سے بنا دو منزلہ گھر ہے....

تازہ' بے روغن لکڑی...مخروطی چھتیں....اوپر بالکونیاں ہیں

اندر ایک کھلا سا صحن ہے....

ایک طرف کنواں ہے....

بالائی منزل کے کمروں کی پچھلی کھڑکیاں صحن میں کھلتی دکھائی دے رہی ہیں....

کونے والے کمرے کی کھڑکی میں کوئی کھڑا ہے....کوئی ہیولہ سا....

جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو....

اور وہ نیچے دیکھ رہا ہے....

جہاں صحن کے کونے میں ایک نسوانی وجود کھڑا ہے....

اس نے مخملیں چغہ پہن رکھا ہے....جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں....

اس کی کھڑکی کی طرف پشت ہے....بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی ہے اور سر پہ جمے تاج کی پشت دکھائی دے رہی ہے....

چغے کے آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن ہیں....

خوبصورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں ہیں....

اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ کچھ بنا رہے ہیں....

انداز سے لگتا ہے کوئی مجسمہ ہے....

اور وہ لڑکی....وہ شاہزادی....وہ مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی ہے۔

گردن ذرا سی موڑتی ہے....

شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی....بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونہ کنپٹی سے جھلکتا ہے....

بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی ہے....

جیسے واقف ہے اس بات سے....کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے....

پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنستی ہے....اور گردن موڑنے لگتی ہے....

اور کسی دھوئیں کی طرح خواب فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے.....

☆......☆......☆

''تو انکو...میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔''

یہ فقرہ لبوں سے نکالنے سے چند منٹ قبل تالیہ نے یہ خواب دیکھا تھا۔

جس وقت وہ دالان میں داخل ہوئی تھی' اور گردن اوپر اٹھائے بالائی منزل کو دیکھ رہی تھی' (اور اندر فاتح اور عصرہ تلخی سے اس کے بارے میں بات کر رہے تھے) اس وقت تالیہ کی نظروں کے سامنے وہ منظر کسی خواب کی طرح چلنے لگا تھا۔قدیم زمانوں کی زردی لئے....یہ گھر مختلف نظر آتا تھا تب....اور وہ مجسمہ بناتی شہزادی جو اوپر کھڑے شخص کی نگاہوں سے واقف تھی....وہ اس کے انداز کی شوخی اور ہلکی سی ہنسی...سپید جلد اور زیورات بتاتے تھے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گی جتنا تاریخ کی کتابوں میں لکھا تھا....

وہ خواب سے چونکی تو خود کو سن باؤ کے گھر میں کھڑے پایا۔

فاتح اور بچے باہر آ گئے تھے اور اب فاتح مجسمے کے بارے میں بتا رہا تھا۔پھر گفتگو کا رخ شہزادی تاشہ کی طرف مڑ گیا اور عصرہ بتانے لگی کہ کس طرح وہ یہاں مجسمہ بناتی تھی.....

مگر عصرہ نہیں جانتی تھی کہ تالیہ کو بعض دفعہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی خواب یا وژن نظر آ جاتے ہیں۔اس قدیم مکان میں چھ سو برس قبل شہزادی کس سے ملنے آتی تھی' ....وہ دیکھ چکی تھی' اسی لئے جب اس نے مداخلت کر کے بتایا کہ شہزادی سن باؤ کے لیے نہیں ادھر آتی تھی تو یہ اندازہ نہیں تھا۔

یہ وجدان تھا۔

فاتح جولیانہ کے ساتھ مصروف ہو گیا اور عصرہ تصاویر بنانے لگی تو وہ کنویں تک آئی۔اندر نیچے اترنے کے لئے نشان بنے تھے۔پانی اب بھی کنویں میں موجود تھا۔وہ مسکرائی اور پلٹی۔

''تو انکو....میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔'' اعلانیہ بلند سا بولی تو صحن میں موجود ہر شخص چونکا۔فاتح جو جھک کے بیٹی سے بات کر رہا تھا' چند لمحے ساکت سا جھکا رہا پھر سیدھا ہوا اور اسے دیکھا تو چہرہ سنجیدہ تھا۔

''ایکسکیوزمی؟''

''میں .... یہ گھر....(اطراف میں اشارہ کیا) خریدنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔

''اور تمہیں کس نے کہا تاشہ کہ میں یہ گھر بیچنا چاہتا ہوں؟''

''آپ نے کل صبح ہی اس گھر کو مارکیٹ پہ ڈال دیا تھا۔ ملاکہ کے تمام پراپرٹی ڈیلرز واقف ہیں تو میں کیوں نہیں ہوں گی؟''

''مگر میں تمہیں یہ گھر نہیں بیچ سکتا۔'' وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کیاری کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں کے درمیان سرخ اینٹوں کا پکا صحن حائل تھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ تم اس کو افورڈ نہیں کرسکتیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ استہزائیہ مسکراہٹ۔

''آپ کو کیوں لگا میں اس کو افورڈ نہیں کرسکتی؟''

''کیونکہ میرا نہیں خیال تمہارا بینک بیلنس اتنا ہے جتنا تم بتاتی ہو۔''

عصرہ جو موبائل اونچا کیے بالائی کمرے کی تصاویر اتار رہی تھی' اس بات پہ گردن موڑ کے تادیبی نظروں سے فاتح کو دیکھا جو تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔

''واقعی!'' وہ سر کو خم دے کر سادگی سے مسکرائی۔''میرا بینک بیلنس واقعی اتنا نہیں جتنا بتاتی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا...''بلکہ....اس سے کہیں زیادہ ہے' تو انکو!''

''یعنی اثاثے چھپاتی ہو تم....پھر تو پورا ٹیکس بھی نہیں دیتی ہو گی۔ یہ دونوں جرائم ہیں۔ چچ۔ میری حکومت میں تم جیل جانے والے پہلے لوگوں میں سے ہو گی۔'' افسوس سے بولا اور پلٹ گیا۔

تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ اب وہ اندر جا رہا تھا۔

''وہ مذاق کر رہا تھا۔'' عصرہ نے تصویر اتارتے ہوئے وضاحت دی تو وہ چونکی' پھر جبراً مسکرائی۔

''وان فاتح کے ساتھ گزارا کرنا بھی ایک آرٹ ہے' نہیں؟''

عصرہ ہنس دی اور سر جھٹکا۔''وہ بہت اچھا شوہر' باپ اور سیاستدان ہے۔''

''خدا کرے وہ اتنا ہی اچھا میزبان بھی بن جائے۔'' بولی نہیں' صرف دل میں سوچا۔

تبھی فون بجنے لگا۔ تالیہ نے نکال کے دیکھا تو ایڈم کا نام جل بجھ رہا تھا۔

''کانگ ہو کا فون ہے۔ نیلامی کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں گے۔ میں ذرا ان کو سن لوں۔'' مسکرا کے اس پینٹر کا نام لیا

جس کے بارے میں عصرہ کو بتایا تھا کہ نیلامی پہ مدعو کر رکھا ہے اور فون کان سے لگائے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں بولو....'' گھر سے باہر نکلی تو سڑک پہ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ اردگرد شاپس اور ریستوران بنے تھے۔ ٹھنڈی سی چھایا میں گھری صاف ستھری سڑک جس پہ قدیم گھروں کو سرخ سفید پینٹ کر کے ڈولز ہاؤس کی طرح نیا بنا دیا گیا تھا۔ دکانوں کے آگے چھتریاں لگی تھیں جہاں لوگ کرسی میزوں پہ بیٹھے چائے قہوے پی رہے تھے۔ ایسے میں وہ فٹ پاتھ پہ چلتے ہوئے فون پہ ایڈم کو سنے گئی جو کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

''ہاں مگر شام کو۔ میں ابھی گھر پہ نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں' آپ ملاکہ میں ہیں۔ میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔''

تالیہ چونکی۔ ''میری جاسوسی کرنے لگے ہو کیا؟''

''نہیں۔ ہاں۔ شاید۔ اچھا ہم کہاں مل سکتے ہیں۔''

''تم کیوں ملنا چاہتے ہو' ایڈم؟''

''کیا آپ کو وہ سکہ نہیں چاہیے؟'' تالیہ اس سوال پہ خاموش ہو گئی۔ گاڑیاں ساتھ سے گزر رہی تھیں اور وہ فٹ پاتھ کنارے آگے چلتی جا رہی تھی۔

''سکہ ساتھ لا رہے ہو؟''

''جی.... کیونکہ خزانہ ملاکہ میں ہی ہے نا۔''

تالیہ مرادرک گئی۔ بالکل ساکت۔ شل۔

''خاموش کیوں ہو گئیں آپ چے تالیہ۔ چابی کا دوسرا حصہ آپ کے پاس ہے لیکن سکہ میرے پاس ہے۔ اور خزانہ ملاکہ میں۔ اتنا مشکل نہیں تھا گیس کرنا۔''

''مجھے نہیں پتہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ سکہ سرکار کی امانت ہے۔'' اس نے کہنے کی کوشش کی۔

''ہم کہاں مل سکتے ہیں' چے تالیہ؟'' وہ بے چینی سے بولا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ بولی نہیں۔

''اگر آپ کو سکہ چاہیے تو آپ کو مجھ سے سچ بولنا ہوگا۔ سچ آپ کو آزاد کر دے گا چے تالیہ۔''

''وانگ لی کے کنویں پہ مجھ سے ملو۔''

''کون سا کنواں؟ جو وانگ لی کے گھر میں ہے؟ سن باؤ کا گھر؟''

''نہیں اسٹوپڈ۔ وہ تو فاتح صاحب کا گھر ہے۔ میں بوکیت چینہ پہاڑی کی بات کر رہی ہوں جہاں وانگ لی نے کنواں بنوایا تھا

۔جس کا پانی چھے سو سال سے خشک نہیں ہوا۔"

"پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔ اور اس کو وانگ لی کا کنواں نہیں کہتے۔ یہ نام سیاحوں نے غلط العام کر رکھا ہے۔ وہ کنواں وانگ لی نے شہزادی "یان سوفو" کے لئے بنوایا تھا۔ اس کو "یان سوفو" کا کنواں کہتے ہیں۔"

"تمہیں اتنا کیسے معلوم ہے؟"

"کیا آپ کتابیں نہیں پڑھتیں' چے تالیہ؟" وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

"اب اس کا کیا کروں؟" کال ختم کر کے وہ وہیں فٹ پاتھ کنارے کھڑی سوچتی رہی۔ پھر مڑی تو سامنے ایک دکان کے آگے تنی چھتری تلے کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ وہاں آمنے سامنے دو بوڑھے بیٹھے شطرنج کی بساط درمیان میں رکھے غور و فکر کر رہے تھے۔ وہ آگے آئی اور ان کے عین سر کے اوپر جھکی سوچتی نظروں سے بساط دیکھی۔

"اگر سیاہ والی فوج اپنے اس پیادے کو ایک قدم چلائے..." دو انگلیوں سے پیادہ اٹھایا تو دونوں نے چونک کے گردنیں اٹھائیں۔ سفید ہیٹ والی لڑکی بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی....

"اور سفید فوج اپنے فیلے کے ذریعے اس سیاہ گھوڑے کو مار دے تو سیاہ رخ اس فیلے کو مار دے گا اور سفید پیادہ یوں چل جائے تو سیاہ ملکہ کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ کر دیا سیاہ ملکہ نے سفید بادشاہ کو.....شہہ مات!" اس نے جھکے جھکے دو تین گوٹ چلائے اور سیدھی ہو کے مسکرائی پھر سیاہ فوج کے بوڑھے مالک کو دیکھا جو ہکا بکا بیٹھا تھا۔

"ہر وقت دفاعی انداز میں کھیلنا اچھا نہیں ہوتا۔ جب آپ کو لوگ کونے سے لگا دیں تو جارحانہ حکمتِ عملی اپنانی پڑتی ہے۔ پیادے کو ملکہ بننا پڑتا ہے۔ یو آر ویلکم' انکل۔" ہیٹ کو تر چھا کرتے ہوئے سر جھکا کے تعظیماً بولی' اور مڑ گئی۔

سفید فوج کا مالک بوڑھا پریشان سا بساط کو دیکھ رہا تھا۔

"مگر....میرا دوسرا سفید گھوڑا تو راستے میں حائل تھا۔ وہ....کہاں گیا....؟"

اور فٹ پاتھ پہ آگے بڑھتی تالیہ نے مٹھی میں دبایا سفید گھوڑا مسکرا کے فضا میں اچھال دیا۔

"ایمانداری سے بھی کوئی جیت سکتا ہے بھلا....وہ بھی اس دنیا میں؟"

اب وہ واپس سرخ لکڑی کے روغن زدہ گھر کی طرف جا رہی تھی۔ اسے عصرہ سے اجازت لے کر ہوٹل جانا تھا اور شام کو خزانے کے بارے میں اگلا لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

یہ تو طے تھا کہ وہ خزانہ لیے بغیر ملاکہ سے واپس نہیں جائے گی۔

سن باؤ کے گھر کے دروازے کے سامنے وہ رکی اور گردن اوپر اٹھائی۔ بالائی کمروں کی بالکونیاں سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔ اندر

صحن میں ان کمروں کی کھڑکیاں تھیں جہاں سے شہزادی مجسمہ بناتے وقت اوپر موجود شخص کو دیکھتی تھی۔ مگر کیا وہ یہاں بالکونی میں بھی بیٹھتا ہوگا جب دور سے گھوڑے پہ شہزادی تاشہ آتی ہوگی؟

اس نے گردن موڑ کے شمال کی سمت دیکھا۔ ابھی تو یہاں دکانیں تھیں اور ان کے پیچھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ محض چند میل کے فاصلے پہ ملاکہ سلطنت کا محل واقع تھا۔ جو ملک آج ملائیشیا تھا' وہ کسی زمانے میں ایک بڑا سا ملک تھا جو ملاکہ سلطنت کہلاتی تھی۔ ملائیشیا کے آس پاس کی ریاستیں بھی اس میں شامل تھیں۔ سولہویں صدی میں جب ملاکہ پہ پرتگال نے قبضہ کیا تو اس محل کو جلا ڈالا۔ پھر ڈچ آئے۔ اور گزشتہ صدی میں انگریز۔ 1957 میں ملائیشیا کو آزادی ملی اور اب ملاکہ اس کی صرف ایک ریاست ہے۔ محل تو صدیوں پہلے جلا دیا گیا تھا مگر چند برس قبل ملائیشیاء کی حکومت نے پرانی کتابوں اور نقشوں کی مدد سے محل کا خاکہ نکالا اور اسے ہو بہو ویسا ہی تعمیر کروایا۔ اب وہ ایک میوزیم تھا۔ کسی زمانے میں شہزادی تاشہ وہیں رہتی ہوگی۔

وہ بالکونی کو دیکھے گئی۔ جانے کون ہوگا یہاں جس کے لئے بنداہارا کی خوبصورت بیٹی آیا کرتی تھی؟ یقیناً کوئی جری مرد ہوگا۔ وہ جتنی حسین' طرحدار اور لائق تھی' کسی عام مرد کے لئے نہیں آئے گی۔ پتہ نہیں کیا کہانی ہوگی اس کی۔ وہ سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کبھی اس کی داستان نہیں جان پائے گی۔

ظاہر ہے وہ غلط تھی۔

☆......☆......☆

تالیہ الوداعی کلمات کہہ کے چلی گئی تو عصرہ اوپر آئی۔ بیرونی زینے عبور کر کے بالکونی پار کی اور پہلے کمرے میں داخل ہوئی۔ توقع کے عین مطابق وہ وہیں موجود تھا۔

کمرہ سادہ تھا۔ ایک طرف سنگل پلنگ بچھا تھا۔ دوسری جانب الماری تھی۔ فاتح اس وقت دیوار کے سامنے کھڑا تھا جہاں کھڑکی تھی۔ عصرہ کی جانب پشت کیے' وہ نیچے صحن میں مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

''بچے کھانا کھانے باہر جانا چاہتے ہیں۔ چلو گے؟'' اس نے نرمی سے پکارا۔

''ہوں!'' وہ بے توجہی سے نیچے دیکھتا رہا۔

''اس گھر کو بیچنا مشکل لگ رہا ہے کیا' فاتح؟'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ نیچے صحن اور کنواں صاف دکھائی دیتا تھا۔

''نہیں تو۔ میں یہاں کم رہا ہوں۔ کبھی چھٹیوں میں آتے تو میں یہ کمرہ لے لیتا تھا۔ چار پانچ ماہ میں ایک آدھ دن کے لئے۔''

''مت ظاہر کرو کہ تمہیں اس کو بیچنے سے فرق نہیں پڑتا۔''

''واقعی نہیں پڑتا۔ بیچ ہی رہا ہوں' ڈھا نہیں رہا۔'' باہر دیکھتے ہوئے اس نے شانے اچکائے۔

''نئے مالک ڈھا دیں گے۔کوئی کافی شاپ' کوئی ٹی ہاؤس بنا دیں گے اس کو۔''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ نیچے دیکھتا رہا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' اس کی سیاہ آنکھیں مجسمے پہ جمی تھیں۔جینز کے اوپر سفید شرٹ پہنے' بال ماتھے پہ بکھیرے' وہ عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔

''فاتح....ریستوران!'' اس نے یاد دلایا تو وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

''میں کچھ آرڈر کرلوں گا۔تم جاؤ۔موسم خراب لگ رہا ہے' تمہیں پھر واپس بھی جانا ہوگا۔''

عصرہ چند لمحے تفکر سے اسے دیکھے گئی۔

''ہاں' ہم لنچ کر کے واپس چلے جائیں گے' موسم اچھا نہیں ہے' لیکن تم....تم کب آؤ گے؟''

''میں رات تک آؤں گا۔''

''اکیلے کیا کرو گے ادھر؟'' وہ قدرے تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فاتح نے مسکراتے ہوئے اطراف میں دیکھا۔''اکیلا کہاں ہوں؟ عنقریب اشعر مشہور کرنے والا ہے کہ اس گھر میں بھوت پریت بھی رہتے ہیں۔''

عصرہ کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔''تمہیں کیسے معلوم؟''

''اور کس طرح کسی پراپرٹی کی قیمت گرائی جاتی ہے؟ تمہیں لگتا ہے میں اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہوں؟'' ابرو اچکا کے مسکرایا۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ بے فکر لگ رہا تھا۔عصرہ کی پیشانی پہ سلوٹیں پڑیں۔

''کیوں ایش کے بارے میں ایسے اندازے لگاتے ہو فاتح؟ پہلے تو تم ایسے نہیں تھے۔''

''مگر وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔دکھاوے کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے۔کبھی نہ کبھی کھل جاتا ہے۔'' شانے ذرا سے اچکائے گویا اسے پرواہ نہیں تھی۔عصرہ نے ضبط سے گہری سانس لی۔

''خیر....جو بھی کرو....تمہاری سیاست' تم دونوں جانو۔ہم لنچ کرتے ہی واپس نکل جائیں گے۔تم کچھ آرڈر کرلینا۔''

''شیور!'' وہ بے پرواہ تھا۔یا شاید قانع۔

عصرہ نے ایک الوداعی نظر اس پہ ڈالی' اور باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ اور بچے کار میں بیٹھ رہے تھے' وان فاتح اوپر بالکونی میں کھڑا تھا۔عینک لگائے' وہ جھک کے موبائل پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ابھی گلی میں لوگوں کی نظر اس پہ نہیں پڑی تھی ورنہ وہ تا نتا بندھتا کہ خدا کی پناہ۔

''فاتح!'' کار کا دروازہ کھولتے وقت عصرہ نے اسے پکارا تو فاتح نے سر اٹھایا' پھر ان کو دیکھ کے مسکرایا اور عینک اتاری۔

''خدا حافظ!'' دایاں ہاتھ اٹھا کے الوداع کہا۔سکندر نے ''خدا حافظ ڈیڈ!'' پکارا اور جولیانہ نے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔وہ تینوں اندر بیٹھ گئے اور وہ مسکرا کے ان کو دیکھتا رہا۔سکندر کی نظریں اسی پہ جمی تھیں۔بار بار فکرمندی سے وہ باپ کو دیکھتا تھا جو ریلنگ پہ دونوں ہتھیلیاں رکھے' جھک کے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''ماما....ہمیں ڈیڈ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے۔'' کار آگے بڑھ گئی تو وہ بے چینی سے پیچھے مڑ کے ماں سے بولا۔

''بیٹا' تمہارے ڈیڈ 48 سال کے ہیں۔بے فکر رہو وہ راستہ نہیں بھولیں گے اور بالکل بھی نہیں کھوئیں گے۔ان کو بھی کوئی space چاہیے۔'' وہ جو سیل فون پہ لگی تھی' قدرے اکتا کے بولی تو سکندر گردن موڑ کے سڑک کنارے بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔

اس کا دل خراب ہو رہا تھا۔پتہ نہیں کیوں۔

(کیا بڑے لوگ راستہ نہیں بھولتے؟)

☆......☆......☆

ملاکہ کا دارالحکومت ملاکہ شہر تھا جو سمندر کنارے واقع تھا۔جس ہوٹل میں تالیہ نے کمرہ لیا تھا' اس کی کھڑکیاں ساحل کی طرف کھلتی تھیں۔فرنچ ونڈو پہ پڑے سفید پردے ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے اور نیچے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

بیڈ پہ اس کا سامان بکھرا پڑا تھا اور وہ سامنے کھڑی تھی۔ہاتھ میں ایک بیک پیک تھا۔جیسے اسکول کالج جانے والے کندھوں پہ پہنتے ہیں۔وہ کچھ چیزیں نکال نکال کے اس بیک پیک میں رکھ رہی تھی۔رسی' ٹیپ' چند اوزار' پیسے' کریڈٹ کارڈز' گلوز۔چھوٹے سے بیک پیک کو بھرنے کے بعد وہ روم فریج تک آئی اور اندر سے پانی کی ایک بوتل نکالی' ایک کولا کا کین اور اور چند چاکلیٹ بار۔

''اتنی کیلوریز؟ اونہوں۔'' چاکلیٹ واپس رکھ دی۔پانی اور کولا کو بیگ میں ڈال دیا۔ایک تیز دھار خنجر رکھا۔ٹیزر (کرنٹ لگا کے بے ہوش کرنے کا آلہ)' کالی مرچوں کا اسپرے' اور ایسے تمام لوازمات جو وہ کسی بھی واردات کے وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی' اس میں ڈالے اور زپ بند کی۔پھر اسے کندھوں پہ پہنا اور خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔

تبھی موبائل بجا۔

ایڈم کنویں پہ پہنچ چکا تھا۔وہ اسے وہیں رکنے کا کہہ کے باہر نکل آئی۔ذہن تیزی سے مختلف ممکنات کو سوچ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ کے ساحل کا یہ حصہ الگ تھلگ سا تھا۔یہاں اونچی چٹانیں تھیں' اور نیچے سمندر بہتا نظر آ رہا تھا۔لہریں امڈ امڈ آتیں اور چٹانوں سے سر پٹخ کے واپس لوٹ جاتیں۔یہاں اکا دکا لوگ نظر آتے تھے۔دور تک ریت سنسان پڑی تھی۔

ایسے میں ایک چٹان کے اوپر وان فاتح کھڑا تھا۔اس کی سفید شرٹ ہوا کے باعث پھڑ پھڑا رہی تھی۔وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے

سمندر کو دیکھتے ہوئے سوگوار سا مسکرا رہا تھا.....

لہروں کی جھاگ میں شکلیں بن بن کے ابھرتیں' اور ابھر ابھر کے مٹتی تھیں۔ بہت سی یادیں گویا امڈتی چلی آ رہی تھیں۔ چھے سال گزر گئے۔ چھے سال اور ایک دن۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آریانہ کے ساتھ اس روز کیا ہوا تھا۔

سوائے وان فاتح کے....

اسے ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ آخری دن ان دونوں نے ملاکہ میں ساتھ گزارا تھا۔

ملاکہ آ کے سب سے پہلے وہی یاد آتی تھی۔

ملاکہ سے جاتے وقت سب سے آخر میں بھی وہی یاد آتی تھی۔

وہ ایک نم صبح تھی۔ سن باؤ کے گھر میں چھایا سی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا۔ ایسے میں صحن میں وہ بیٹھی تھی۔ ننھی آریانہ۔ اس مجسمے کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے وہ اس کے پاؤں دیکھ رہی تھی۔ لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے۔ وہ چینی نقوش والی گوری سی لڑکی تھی جس کی آنکھیں موٹی موٹی تھیں۔

وہ اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ آریانہ نے گردن موڑی تو دیکھا۔ فاتح مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹی شرٹ اور جینز پہنے' وہ چھٹی والے لاپرواہ حلیے میں لگتا تھا۔

''کیا تمہیں بھی سن باؤ پسند ہے۔'' وہ پنجوں کے بل اینٹوں والے فرش پہ بیٹھا۔ آریانہ نے واپس چہرہ مجسمے کی طرف موڑ لیا۔

''ڈیڈ.... کیا یہ آدمی اصل میں تھا کوئی؟''

''ہاں بیٹا۔ اس کا نام وانگ لی تھا۔''

''اس کا مجسمہ کیوں بنایا شہزادی تاشہ نے؟''

''کیونکہ وہ شہزادی تھی۔ اور شہزادیاں اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہیں۔''

اوپر بادل زور سے گرجے اور یکا یک موٹی موٹی بوندیں صحن میں گرنے لگیں۔

''کاش میں بھی شہزادی ہوتی۔''

وہ ہنس دیا۔

''تمہیں کیوں لگا کہ تم شہزادی نہیں ہو؟'' سرخ اینٹوں والا صحن بارش میں بھیگ رہا تھا اور وہ دونوں پنجوں کے بل ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔

''کیونکہ آپ بادشاہ نہیں ہیں۔'' وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداس نظر آتی تھی۔

”تاشہ کا باپ بھی بادشاہ نہیں تھا۔ بندا ہارا تھا۔“

”وہ کیا ہوتا ہے؟“

”پردھان منتری۔ (وزیرِاعظم)“

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

”اگر آپ پردھان منتری بن جائیں تو میں خود بخود شہزادی بن جاؤں گی؟“

”ہاں۔“ وہ کھڑا ہوا اور جھک کے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھالیا۔ آریانہ کسی اور سوچ میں لگتی تھی....

”مگر یہ تو چیٹنگ ہوئی۔ شہزادی تو بائی برتھ شہزادی ہوتی ہے۔ ایسے ہی کوئی تھوڑی شہزادی بن جاتا ہے۔“ وہ بھیگی ہوئی بچی اس کی گردن کے گرد باز و حمائل کیے سر اس کے کندھے پہ رکھے بولی۔ وہ اسے اٹھائے اندر برآمدے میں لا رہا تھا۔

”یہ چیٹنگ نہیں ہے۔“ برآمدے میں آ کے وہ ٹھہرا اور آریانہ کو نیچے اتارا۔ وہ فرش پہ کھڑے ہوتے ہی حیرت سے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

”چیٹنگ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟“

”دھاندلی۔“ وہ سنجیدگی سے بولا....اور دونوں ہنس دیے۔

تبھی اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھا۔

”اندر جاؤ ماما کے پاس، اور اب بارش میں نہیں بھیگنا۔“ وہ تابعداری سے اندر جانے لگی، پھر رکی۔

”کل ہم کیبل کار (چیئر لفٹ) پہ جائیں گے نا ڈیڈ؟“

فاتح نے صرف سر ہلا دیا اور فون کان سے لگاتے ہوئے برآمدے کے دوسرے سرے تک چلتا آیا۔ چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔

”کہاں ہو، فاتح؟“ مردانہ آواز دوستانہ انداز میں سنائی دی۔

”میں چھٹی پہ ملاکہ آیا ہوا ہوں۔ کیوں؟“ وہ اب برآمدے کے ستون کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اور پرمخروطی چھت کے کناروں سے پانی ٹپ ٹپ کے نیچے گر رہا تھا۔ سامنے صحن بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔

”فاتح....“ وہ کوئی سیاسی دوست تھا۔ تذبذب سے بولا۔ ”صوفیہ صاحبہ ایک پیغام دینا چاہتی ہیں۔“

”پردھان منتری کی بیٹی صوفیہ رحمٰن صاحبہ؟“ وہ استہزائیہ مسکرایا۔ (یہ ان دنوں کی بات ہے جب صوفیہ رحمٰن کے بابا ملک کے وزیرِاعظم تھے۔)

”ہاں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر تم اور تمہارے ساتھ قریباً ۲۰ ممبر پارلیمنٹ....“

''میرا جواب ناں میں ہے۔''

''تم نے ابھی ان کی پیشکش سنی ہی نہیں ہے۔''

''اچھا ہے نہیں سنی' کیونکہ سن لوں گا تو اس پہ گواہ بن جاؤں گا' اور اگلا جلسہ جہاں بھی کرنے جاؤں گا' وہاں لوگوں کے سامنے دہرادوں گا کہ صوفیہ رحمٰن کیسے لوگوں کو اپنے الائینس میں شامل ہونے کے لئے دھمکاتی ہیں۔''

''وہ ملک کی اگلی وزیرِ اعظم ہیں۔ان کی بات تو سن لو۔''

ایک دم بارش کی بوچھاڑ اتنی تیز ہوگئی کہ مجسمے پہ گرتے قطروں کی تڑتڑاہٹ سے سارا آنگن گونج اٹھا۔

''میں ضرور سنتا اگر مجھے صوفیہ کے ساتھ بیک ڈور ڈیل کرنی ہوتی۔یہی کہنا چاہتی ہوگی نا وہ کہ میں بیس پچیس لوگوں کے ساتھ باریسن نیشنل چھوڑ کے اس کی پارٹی میں آجاؤں اور وہ مجھے وزیر بنادے گی؟ ابھی الیکشن میں دو سال پڑے ہیں' وہ ابھی سے اپنی حکومت کے لئے جوڑتوڑ شروع کررہی ہے۔'' وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑا' موبائل کان سے لگائے' بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔

''صوفیہ رحمٰن ایک خطرناک عورت ہے۔''

''صوفیہ رحمٰن ایک بزدل عورت ہے۔اور اسے شاید بھول گیا ہے مگر ہم دونوں یونیورسٹی میں ساتھ پڑھے ہیں۔اس کو کہنا' مجھے یہ بھی یاد ہے کہ وہ کیسی تھی' اور یہ بھی کہ میں کیسا تھا۔اسے مجھے ایسی آفر دیتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔بی این کا ایک رکن بھی اس کی طرف نہیں جائے گا۔''

''تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا' وہ اس آفر کو قبول کرلیتا۔''

''تمہارے خیال میں ایسی آفرز مجھے پہلے کبھی نہیں دی گئیں؟ اگر مجھے دوسروں کے ساتھ سمجھوتے کر کے وزیرِاعظم بننا ہوتا تو کب کا بن چکا ہوتا۔میرا خواب ہے کہ میں اپنے ملک کا وزیرِاعظم بنوں اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔یہ ایک عظیم خواب ہے۔اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی۔لیکن مجھے اسٹرگل کر کے وزیرِاعظم بننا ہے۔اور ہاں صوفیہ سے کہنا' اس نے جو کرنا ہے کر لے۔اس کے باپا اور اس کو لوگوں کو خریدنے کی عادت ہوگئی ہے۔عادت بدلنے میں وقت لگے گا۔''

اس نے موبائل رکھا اور پھر گردن نکال کے آسمان کو دیکھا۔وہ سیاہ پڑ تابڑ سے جا رہا تھا...جیسے رونے لگ گیا ہو....زار و قطار.....

آج....وان فاتح چٹان کے اوپر کھڑا تھا۔ہاتھ جیبوں میں تھے اور سوگوار مسکراہٹ سے سمندر کو دیکھ رہا تھا۔لہروں میں بنتی جھاگ میں دکھائی دیتا منظر بدل رہا تھا....

وہ سرسبز اونچی پہاڑیاں تھیں جہاں اونچے کھمبوں کی مدد سے تاروں پہ لٹکتی کیبل کار (چیئرز لفٹ) نیچے آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ پہاڑی پہ ٹریک بھی بنا تھا جہاں ہائیکنگ کے شوقین لوگ چڑھتے اترتے دکھائی دیتے تھے۔مگر ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی۔زیادہ لوگ

اوپر کیبل کار (چیئر زلفٹ) پہ بیٹھ کے سفر کرنا پسند کرتے تھے۔ عصرہ، اشعر اور سکندر کے ساتھ اوپر کیبل کار پہ چلی گئی تھی۔ جبکہ آریانہ کے شوق فاتح جیسے تھے۔ اسے قدرت کے قریب، جنگلوں اور پہاڑوں میں پیدل چلنے میں مزا آتا تھا۔

ٹریک پہ جانے سے پہلے آریانہ پاپ کارن کا اسٹال دیکھ کے مچل گئی۔ ''مجھے یہ کھانے ہیں۔''

''ابھی واپسی پہ کھانا تو کھاؤ گی نا، پھر یہ کیوں؟'' وہ ہلکا سا خفا ہوا۔ جواب میں اس نے پورا چہرہ اٹھایا اور بڑی بڑی آنکھیں جھپک کے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

''اچھا۔ کھا لو۔'' فاتح نے گہری سانس لی اور جیب سے بٹوہ نکالا۔ پھر آریانہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے پاپ کارن اسٹال تک لے آیا۔ اسے میٹھے پاپ کارن پسند تھے۔ کیریمل والے۔ پورا پیکٹ بھر کے لیا اور اپنی لمبی جیکٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ ''میں ان کو واپسی پہ کھاؤں گی۔''

''مگر یہ تب تک ٹھنڈے ہو جائیں گے، بے بی۔ پاپ کارن گرم کھائے جاتے ہیں۔''

''اس سے میری جیکٹ گرم ہو جائے گی نا۔'' کہنے کے ساتھ اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔ فاتح مسکرا دیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سرسبز پہاڑی پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ اس نے جینز میٹیریل کی شرٹ پہن رکھی تھی اور آریانہ نے پتلی سی سفید جیکٹ۔ نیچے سفید فراک اور سفید ہی جرابیں تھیں۔ جوگرز بھی سفید۔ سر پہ ہیئر بینڈ پہنے وہ چھوٹی سی پری لگتی تھی۔

''میں نے صبح ماما کو کہا کہ جب آپ پردھان منتری بن جائیں گے تو میں شہزادی بن جاؤں گی۔''

''اور ماما نے کیا کہا؟'' وہ مسکراہٹ دبائے جوگرز کی مدد سے اوپر چڑھ رہا تھا۔

''انہوں نے کہا، صرف میں شہزادی کیوں بنوں گی؟ جولیانہ بھی بنے گی۔''

وہ ہنس دیا۔ عصرہ کو اس سے شکایت ہوتی تھی کہ وہ آریانہ اور جولیانہ میں فرق کرتا ہے۔ ایسی بات نہیں تھی۔ آریانہ بڑی تھی تو زیادہ قریب تھی۔

''ہاں، ظاہر ہے جولیانہ بھی بنے گی۔'' اس نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ وہ سرسبز پہاڑیاں تھیں جہاں بادل نیچے تک اترے ہوئے تھے۔ ان کے سروں کے اوپر سے کیبل کار گزر رہی تھی۔ کتنا خوبصورت تھا اس کا ملک۔ وہ فخر سے مسکرایا۔

''آپ کو جنگل اور پہاڑ اچھے لگتے ہیں، ڈیڈ؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''بہت زیادہ۔ میں ہر سال صباح کے جنگلوں میں شکار کے لیے جایا کرتا تھا۔ اب کچھ عرصے سے نہیں جا سکا مگر دل چاہتا ہے۔ پارلیمان اور کوالالمپور کی مصروف زندگی سے بالکل کٹ کے کچھ دن پہاڑوں میں گزارنے کا۔''

''آپ کو ایسی جگہوں پہ کیوں مزہ آتا ہے؟''

''کیونکہ جو ملاح طوفانی بارش میں سمندر میں کشتی لے کر نہیں نکلتے' وہ کبھی اچھے ملاح نہیں بن سکتے۔ انسان کو ہر روز خود کو کسی چیلنج کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے تا کہ وہ اس سے بہت کچھ سیکھ کے نکلے۔''

آریانہ کو بات سمجھ نہیں آئی مگر اس نے سر ہلا دیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ اوپر چڑھتے جا رہے تھے کہ عقب سے آواز آئی۔

''ان چے فاتح (مسٹر فاتح)۔ آریانہ۔'' وہ دونوں ایک ساتھ پلٹے۔

نیچے سے جولیانہ کی نینی چلتی آ رہی تھی۔ یہ ایک انڈین عورت تھی جو چند ماہ سے ان کے گھر ملازمت کر رہی تھی۔ بچوں کی دیکھ بھال کرتی کیونکہ عصرہ ایک ورکنگ وومن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی بیوی بھی تھی۔ غرض اس عورت ثریا نے سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔

''سر....'' وہ پھولتی سانس کے ساتھ قریب آئی۔ ''عصرہ بیگم آریانہ کو بلا رہی ہیں۔''

''کیوں؟''

''سکندر ضد کر رہا ہے کہ وہ آریانہ کے بغیر کچھ نہیں کھائے گا۔ سکندر کو بخار بھی ہو رہا ہے۔''

''چلو' ہم واپس چلتے ہیں۔''

''نہیں' سر۔ عصرہ بیگم نے کہا ہے کہ میں آپ کو ٹریک سے نہ روکوں۔ آپ عرصے بعد ہالیڈے پہ آئے ہیں۔ صرف آریانہ کو لے آؤں۔ آپ ٹریک جاری رکھیں۔'' وہ ہمدردی سے بولی تو آریانہ فوراً بولی۔

''آپ جائیں' ڈیڈ۔ میں سکندر کو سنبھال لوں گی۔'' اس نے سمجھداری سے کہا۔ تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ آریانہ کا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا ہاتھ ثریا دیوی نے تھاما تو وہ اس کے ساتھ آگے بڑھی۔ فاتح نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ مڑی اور اس کو دیکھ کے مسکرائی۔

''سی یو....ڈیڈ!'' اور پلکیں دو دفعہ جھپکائیں۔ وہ ہلکا سا ہنسا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ثریا اسے لیے نیچے اترنے لگی اور وہ اوپر پہاڑی پہ چڑھنے لگا۔

وہ چند منٹ تک اوپر چڑھتا گیا اور پھر یکا یک رک گیا۔ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ سکندر تو ابھی ٹھیک تھا۔ اسے بخار کیوں ہو رہا ہے؟ وہ واپس پلٹ آیا۔ ٹریکنگ میں دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ وہ نیچے اترنے لگا۔ رفتار تیز تھی' اسے امید تھی کہ وہ جلد آریانہ اور ثریا سے جا ملے گا۔ مگر وہ اسے ٹریک پہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ نیچے اترتا آیا۔ بیچ راستے میں رک کے اس نے سیل فون نکالا اور عصرہ کو کال ملائی۔

''سکندر ٹھیک ہے۔ اسے کیا ہونا ہے؟'' وہ مطمئن لگ رہی تھی۔

وہ ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ جیسے کوئی روح کھینچ لیتا ہے۔

''تم نے ثریا کو ہماری طرف نہیں بھیجا؟''

''نہیں۔ میں تو خود اس پہ غصہ بیٹھی ہوں۔ وہ آدھے گھنٹے سے غائب ہے۔ کیا وہ تمہاری طرف آئی ہے؟ فاتح؟'' وہ پوچھ رہی تھی مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ فون رکھتا ایک دم نیچے بھاگا تھا۔

پہاڑیاں خاموش تھیں۔ سبزہ منہ بند رکھے ہوئے تھا۔

''آریانہ.... آریانہ!'' وہ چلاتے ہوئے نشیب میں اتر رہا تھا....

اگلا ایک گھنٹہ کسی سلوموشن فلم کی طرح طے ہوا۔ وہ جیسے ہی ٹورسٹ اسپاٹ تک پہنچا.... عصرہ' اشعر اور بچے ادھر ہی آ گئے.... پل بھر میں سارے گینٹنگ ہائی لینڈ کو خبر ہوگئی کہ وان فاتح کی بیٹی غائب ہوگئی ہے.... کیمروں کے جلتے بجھتے فلیش.... موبائل اسکریز کی روشنیاں.... پولیس کے سائرن.... لوگ چلا رہے تھے.... اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے.... وہ بھی بھاگ رہا تھا.... دائیں بائیں.... حلق کے بل چلاتے ہوئے آریانہ کو آوازیں دے رہا تھا.... مگر آریانہ نہیں تھی....

وہ غائب ہوگئی تھی....

کسی نے کہا' ایک بچی کو چند ماسک والے افراد وین میں ڈال کے لے گئے ہیں....

وہ سڑک تک بھاگتا آیا.... ٹھنڈے موسم میں پسینہ پسینہ ہوئے.... مگر نہ کوئی وین تھی.... نہ اس کا نام ونشان.... پولیس آگے پیچھے بھاگی.... کسی نے سی سی ٹی وی کا ریکارڈ کھولا مگر کیمرے میں وین نہیں تھی۔ نہ کیبل کار (چیئر لفٹ) کے کسی کیمرے نے ثریا اور آریانہ کو دیکھا تھا۔ پولیس وین کو ڈھونڈتی رہی اور بعد میں علم ہوا کہ وین کی ہوائی اڑانے والا بھی لاپتہ ہے.... وہ صرف پولیس کا وقت ضائع کرنے کی کوشش تھی اور کامیاب رہی تھی.... کوئی وین نہیں تھی.... ساری ناکہ بندیاں بے سود تھیں....

چند منٹ میں کیبل کار (چیئر لفٹ) اسپاٹ جائے حادثہ بن گیا۔ خوف وہراس کی فضا قائم تھی۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ ٹی وی چینلز پہ بیان دے رہے تھے' کیمرہ مین تصاویر اتار رہے تھے۔ اشعر روتی ہوئی عصرہ کو ہوٹل لے گیا مگر وہ وہاں سے نہیں گیا۔ وہ اب گینٹنگ ہائی لینڈ کے ریسٹورانوں کی طرف آ گیا تھا۔ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ ایک ایک کمرہ چیک کر رہا تھا۔ آریانہ۔ آریانہ... کیا وہ واقعی اس کا نام پکار بھی رہا تھا یا گلا بیٹھ جانے کے باعث صرف لب ہل رہے تھے؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ساری دنیا ختم ہوگئی تھی اور صرف ایک حقیقت باقی تھی۔

آریانہ نہیں تھی۔

رات سرکتی رہی۔ بارش نہیں ہوئی۔ آسمان بھی شل تھا جیسے۔ پولیس رپورٹ تیار کر چکی تھی۔ ریسکیو ٹیمیں ناکام لوٹ چکی تھیں۔ کسی کو آریانہ نہیں ملی۔ قوی امکان تھا کہ ثریا اب تک بچی کو لیے شہر سے دور جا چکی ہوگی۔ وہ اس وقت ایک پولیس آفیسر کے ساتھ وہیں کے مقامی ریستوران میں بیٹھا تھا۔ پولیس نے اسے باخبر کیا تھا کہ اغوا کار فون کریں گے۔ وہ چپ بیٹھا رہا۔ کھڑکی سے باہر سیاہ

آسمان اور دور تک پھیلی پہاڑیاں دیکھتا رہا۔ اس کا دل کہتا تھا' آریانہ یہیں ہے۔ وہ انہی پہاڑوں میں ہے۔ وہ قریب ہے۔ بہت قریب۔

آدھی رات بیت گئی جب پولیس نے اسے گھر جا کے آرام کرنے کا کہا تو وہ بنا احتجاج کے اٹھ آیا۔ مگر وہ گھر نہیں گیا۔ وہ واپس اسی ٹریک کی طرف چلتا گیا۔ سرسبز پہاڑی پہ بنا راستہ جہاں اس نے آریانہ کا ہاتھ آخری دفعہ چھوڑا تھا۔

بچپن میں جب کوئی شے کھو جاتی تو اس کی ماں کہا کرتی تھی۔ چیزیں ہمیشہ وہیں ڈھونڈنی چاہئیں جہاں وہ کھوئی تھیں۔ وہ ہمیشہ وہیں سے ملتی ہیں۔

پولیس کے کسی سپاہی سے جو ٹارچ اس نے لی تھی وہ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی روشنی اندھیر پہاڑی پہ پھینکتا وہ اسی جگہ واپس آیا۔ پھر وہاں سے نیچے اترنے لگا.... بالکل ایسے جیسے اس نے ثریا اور آریانہ کو اترتے دیکھا تھا۔ پولیس نے یہ سارا علاقہ چھان مارا تھا مگر وہ ایک گمشدہ بچی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

وہ اپنی سات سالہ بیٹی کو نہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

وہ ٹریک سے ہٹ آیا۔ ثریا فاتح کے مڑتے ہی بچی کو بہلا پھسلا کے اس طرف لے آئی ہوگی جہاں اس کی مدد کے لیے کوئی موجود ہوگا۔ وہ ان جھاڑیوں کی طرف آ گیا جہاں لوگ نہیں چلا کرتے تھے۔ ٹارچ کی روشنی آس پاس مسلسل پھینک رہا تھا البتہ اب وہ اسے پکار نہیں رہا تھا۔ اس کے انداز میں احتیاط تھی۔

دور ایک طرف روشنی میں کچھ چمکا۔ وہ تیزی سے قریب آیا۔ کیریمل لگا پاپ کارن۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ دوڑ کے اس کونے تک آیا۔ یہاں مٹی پہ نشانات تھے۔ گھاس مسلا ہوا تھا۔ مزاحمت۔ زور زبردستی۔ وہ پہاڑی سے نیچے اترتا' ٹارچ کی روشنی ڈالتا گیا۔ وہاں کچا راستہ سا بنا تھا جس پہ ذرا ذرا دیر بعد پاپ کارن کا ٹکڑا گرا نظر آتا تھا۔ وہ تیز تیز دوڑنے لگا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس کی فیری ٹیلز کی رسیا بیٹی.... جانے اس نے ہنسل اور گریٹل کی طرح بریڈ کرمب خود گرائے تھے یا جیب سے لڑھکتے گئے تھے.... اس کا دل بھر آ رہا تھا مگر وہ دوڑتا گیا۔ وہاں گھسیٹنے کے نشان تھے.... قدموں کے کھرے تھے.... اور وہ رک نہیں رہے تھے.... پولیس اور دوسرے لوگوں کو وین کے پیچھے لگا کے وہ دو افراد جو اس کی بیٹی کو اٹھائے ہوئے تھے' وہ اس راستے سے نکل گئے تھے۔ ثریا اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ساتھی بھی تھا۔

اس نے چند گھاٹیاں عبور کیں۔ کچھ پرنالے پھلانگے.... اور دوڑتا ہوا نیچے اترتا گیا۔

پاپ کارن اب ختم ہو چکے تھے۔ اونچی نیچی گھاٹیاں اندھیرے میں ڈوبی تھیں۔

''آریانہ!'' وہ چیخا۔ ٹارچ چاروں اطراف میں ڈالی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ جنگل سا علاقہ خاموش پڑا تھا۔ ایک طرف سڑک

دکھائی دیتی تھی۔ وہاں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ دوڑ کے اس تک آیا۔ راستے میں باڑ وغیرہ لگی تھی مگر اس نے اسے پھلانگ لیا۔

کار لاکڈ تھی اور خالی تھی۔ اگر یہ اغوا کاروں کی کار تھی تو وہ واپس کیوں نہیں گئے؟ وہ ابھی تک پہاڑوں میں کیوں چھپے ہوئے تھے؟

وہ دوبارہ سے پہاڑی کی طرف آیا اور اسے پکارتے ہوئے نیچے اترنے لگا۔ ''آریانہ۔ آریانہ۔'' مگر اندھیرے میں ڈوبے پہاڑ خاموش رہے۔ وہ سب جانتے تھے مگر غم بانٹنے کے عادی نہ تھے۔ اسی لیے سخت اور اونچے تھے۔

نیچے ایک چھوٹا سا جھرنا بہہ رہا تھا۔ وہیں تھکا ہارا اس کے کنارے بیٹھ گیا۔ اردگرد حشرات الارض رینگ رہے ہیں یا کوئی جنگلی جانور اس طرف آسکتا ہے' اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ بس وہیں بیٹھا رہا۔

پھر رات کی سیاہی میں سورج کی کرنیں گھلنے لگیں اور پہاڑ روشن ہونے لگے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اور نڈھال قدموں سے واپس اوپر چڑھنے لگا۔

وہ جو پوری رات کی خواری اور ٹھوکروں کے باجود نہیں ملی تھی......وہ واپسی کے چند قدم اٹھانے پہ مل گئی۔

ایک درخت کی کھوہ میں....وہ لیٹی ہوئی تھی۔

دور سے اسے دیکھ کے فاتح ٹھہر گیا۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ سفید اسکرٹ بلاوز اور اوپر جیکٹ پہنے' وہ لیٹی ہوئی نظر آتی تھی۔ پہلو میں ڈھلکے ہوئے بازو کے ساتھ پاپ کارن بکھرے تھے۔ ساتھ ہی خون بہتا ہوا نظر آرہا تھا۔

وہ من من کے قدم اٹھاتا قریب آیا اور گھٹنوں کے بل آریانہ کے پاس بیٹھا۔ پھر آہستہ سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

اس کا چہرہ صاف تھا۔ آنکھیں ذرا سی کھلی تھیں۔ مگر چہرے پہ ایک خراش بھی نہ تھی۔ سر کا پچھلا حصہ پچکا ہوا تھا۔ گردن سے نیچے جسم بری طرح مسخ ہوچکا تھا۔

مگر اس کا چہرہ صاف شفاف تھا۔ شہزادیوں جیسا۔

ہاں....صرف وان فاتح جانتا تھا کہ اس روز....آریانہ مرگئی تھی۔

صبح پھیل رہی تھی اور جب اس نے گردن جھکا کے دیکھا تو دور نیچے کھائی میں اسے دو لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک شریا کی تھی۔ دوسرے اس کے ساتھی کی تھی۔ ان کا منصوبہ بچی کو یرغمال بنانے کا تھا مگر پہاڑی سے اترتے ہوئے یا تو اغوا کار پھسلا تھا' یا شاید آریانہ مزاحمت کررہی تھی....اور یوں وہ تینوں بلندی سے نیچے گرے تھے۔ آریانہ شاید سوفٹ تک کسی چٹان پہ گری اور وہ دونوں مزید نیچے لڑھکتے گئے تھے۔ ان کی ہلاکت موقع پہ ہی ہوگئی تھی اور لاشوں کی حالت بری تھی۔

مگر....فاتح نے پھر سے آریانہ کو دیکھا....آریانہ کا چہرہ صاف اور نکھرا ہوا تھا۔ لب ہلکی مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے۔ شاید وہ

اس بات پہ خوش تھی کہ اس نے اغوا کار کو دھکا دیا ہے....مگر دھکا کھاتے ہی وہ آریانہ کو ساتھ لے کر گرا تھا۔ وہ تکلیف سے تڑپ تڑپ کے نہیں مری تھی۔ وہ اتنی تیزے سے نیچے آن گری تھی کہ یقیناً اس کی موت فوراً ہوئی تھی۔ چند سیکنڈز میں۔ مسکراہٹ کو لبوں سے جدا ہونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔

اور پاپ کارن سے کیریمل کی خوشبو ابھی تک آ رہی تھی۔

وہ کبھی زندگی میں ایسے نہیں رویا تھا جیسے اس دھندلی صبح آریانہ کے سرہانے بیٹھ کے رویا تھا۔ وہ بار بار اس کا سفید چہرہ چومتا' پھر سر جھکائے رونے لگ جاتا۔ ہاتھ خون آلود ہو گئے....گردن آنسوؤں سے بھیگتی رہی اور وہ روتا گیا۔

کتنے گھنٹے' کتنے پہر وہ وہاں بیٹھا رہا' اسے یاد نہیں۔

پھر وہ اٹھا۔ ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا اور قریب سے مٹی کھودنے لگا۔ اپنے ناخنوں سے مٹی کھود کھود کے گڑھا بنایا۔ پھر اپنی اوپری شرٹ اتاری۔ اس میں احتیاط سے بچی کے اعضاء کو لپیٹا۔ سر کے نیچے اس کا جسم ایسا قیمہ بنا ہوا تھا کہ ہاتھ لگانے پہ ہی اعضا بھربھری مٹی کی طرح بکھرنے لگتے تھے۔ اس حالت میں کوئی اس کی بچی کو نہیں دیکھے گا' یہ تو طے تھا۔

آنسو برابر آنکھوں سے بہہ رہے تھے مگر اب وہ بے آواز تھے۔ اس نے آریانہ کو گٹھڑی صورت قبر میں ڈالا۔ پھر نیچے اتر آیا۔ جھرنے کے پانی سے وضو کیا۔ گرم دل پہ ٹھنڈی پھواریں مزید گھائل کرتی گئیں۔

واپس آ کے....قبر کے کنارے....اس نے آریانہ کے لئے آخری نماز پڑھی۔

پھر بدقت ہمت مجتمع کی اور گڑھے کو مٹی سے بھرنے لگا۔ پتھر اٹھا کے اوپر رکھے۔ بھاری وزنی پتھر۔ قبر بند ہو گئی۔ آریانہ آرام دہ جگہ پہ پہنچ گئی تو وہ اٹھا۔ ایک نظر نیچے دیکھا جہاں دور کئی سوفٹ نیچے دو لاشیں پڑی تھیں۔ اسے ان سے نفرت بھی نہیں محسوس ہوئی۔ وہ جانتا تھا ان کو صوفیہ نے بھیجا تھا۔ ان کو تو صرف آریانہ کو اغوا کرنا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مر جائے۔

عصرہ کو اشعر گھر لے گیا تھا۔ وہ بھی اپنی کار میں سیدھا کے ایل آ گیا۔ کسی سے ملے بغیر کمرے میں گیا۔ خون آلود شرٹ تو آریانہ کے ساتھ دفن ہو گئی تھی مگر نیچے والی شرٹ پہ بھی دھبے تھے۔ اس نے لباس تبدیل کیا اور تازہ دم ہو کے باہر آیا۔ تو عصرہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ رو رہی تھی۔ اس سے پوچھ رہی تھی کہ آریانہ ملی یا نہیں۔

''میں وہاں گیا تھا۔ وہ نہیں ملی۔'' اس نے بس اتنا جواب دیا۔ عصرہ کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ وان فاتح اب بالکل سنجیدہ تھا۔ چپ۔ خاموش۔ یہ بھی ایک آرٹ تھا۔ اس نے سیکھ لیا تھا۔

اگلے چند دن تفتیش ہوتی رہی۔ سارے ملک میں سوگ سا تھا۔ صرف آریانہ کی وجہ سے نہیں' بلکہ ان دنوں ملائیشیا کی حکومت اور باغی کیمونسٹ پارٹی کی عسکری لڑائیاں عروج پہ تھیں۔ بہرحال اس نے پولیس کو اس مشتبہ کار کی اطلاع دے دی تھی اور انہوں نے جلد ہی اس

آدمی کو ٹریس کر لیا۔ اس کا تانہ بانہ صوفیہ رحمٰن کی ایک فیکٹری کے کسی ملازم سے ملتا تھا۔ نہ بھی ٹریس ہوتا تو سب کو معلوم تھا' یہ کسی اور کی نہیں' حکمران خاندان کی حرکت ہے۔ وہ جانتا تھا وہ آریانہ کو مارنا نہیں چاہتے تھے۔ اغوا کر کے پریشر ڈالنا مقصد تھا۔ جو ہوا وہ صرف ایک حادثہ تھا' مگر بہرحال وہی اس کے ذمے دار تھے۔

پولیس کو ان دونوں کی لاشیں بھی نہیں ملیں۔ شاید ان کو گدھ کھا گئے تھے۔ مگر ان کی گمشدگی اور ان کا صوفیہ رحمٰن سے تانہ بانہ مل جانا.... یہی ہنگامہ کھڑا کرنے کو بہت تھا۔

جس دن پولیس کی حتمی رپورٹ سامنے آئی' اس دن کیمونسٹ پارٹی کے مسلح ارکان نے فوج کے ساتھ جھڑپیں تیز کر دیں۔

اس صبح وہ عصرہ کے پاس آیا تو وہ بیڈ کے کنارے اکڑوں بیٹھی کھانے کو تک رہی تھی جو اَن چھوا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا' اور آنکھیں بے کیف تھیں۔ آج آریانہ کو کھوئے چوتھا دن تھا اور وہ صدیوں کی بیمار لگتی تھی۔ فاتح کو داخل ہوتے دیکھ کے اس نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ ان میں آس سی جاگی۔

''آریانہ؟''

اب وہ ''آریانہ ملی'' نہیں پوچھتی تھی۔ صرف ایک نام کافی ہوتا اور سارے سوال اسی میں شامل ہوتے۔ وہ ہر دفعہ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ آج نہیں ہلایا۔ اس کے سامنے جا کر بیٹھا اور اس کے ہاتھ تھامے جو ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

''عصرہ... جو میں کہہ رہا ہوں.... اسے غور سے سنو۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں کبھی نہ ملے دوبارہ' مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نہیں ہے۔ وہ ہے' کہیں نہ کہیں ہے۔'' اسے دیکھتے ہوئے وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ عصرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اب ہمیں صبر کرنا ہے۔ اپنے باقی دونوں بچوں کو سنبھالنا ہے۔ ایک گھنٹے بعد رپورٹرز ہمارے گھر کے دروازے پہ موجود ہوں گے۔ ہم دونوں کو ساتھ باہر نکلنا ہے اور بڑے صبر اور حوصلے سے دنیا کو بتانا ہے کہ ہم اپنی بچی کے لئے پرامید ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی ہمیں مل جائے گی مگر اس وقت ہمیں ان فوجیوں کے درد کو سمجھنا ہے جو ان جھڑپوں میں شہید ہو رہے ہیں۔'' عصرہ ایک لفظ پہ چونک گئی۔

''کیا وہ ہمیں مل جائے گی' فاتح؟''

''ہوسکتا ہے وہ ہمیں کبھی نہ ملے لیکن مجھے یقین ہے وہ کسی اور کو مل جائے گی۔ کسی نے اسے سنبھال لیا ہوگا اور وہ وہاں خوش رہے گی۔'' وہ کچھ اور کہہ رہا تھا مگر عصرہ کو اس بات نے نئی امید دی تھی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں صاف کیں۔

''وہ زندہ ہے۔ مجھے یقین ہے۔ وہ ہمیں مل جائے گی۔'' اس نے کہتے ہوئے ٹرے اپنے قریب کی تو آنکھیں پھر سے ابل پڑیں.... وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا وہ عصرہ کو وہ سب نہیں بتا سکتا جو اس نے دیکھا تھا۔ وہ سچ میں جھوٹ کی آمیزش نہیں کر سکتا تھا اور عصرہ سچ سننے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ سو اس وقت وان فاتح کو سچ چھپا دینا ہی بہتر لگا تھا۔ اسے لگا تھا' یہ جھوٹ نہیں ہوتا۔

مگر یہ کچھ تو ہوتا ہے نا۔

جھاگ میں ابھرتے ڈوبتے مناظر تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ فاتح چٹان پہ کھڑا...لہروں کو پتھروں سے سر پٹختے دیکھتا رہا...اس کی مسکراہٹ کی سوگواریت ہنوز قائم تھی۔

اگلا منظر جو پانی کی سطح پہ چمکنے لگا وہ اس کے بیڈروم کا تھا...وہ سنگھار میز کے شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ باہر سے اشعر آواز دے رہا تھا۔

''آبنگ....رپورٹرز پہنچ چکے ہیں۔''

وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ بلیک پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے' جس کے کالر کھڑے اور کف کھلے تھے۔

''آ رہا ہوں۔'' اس نے جواباً کہا تو اشعر دروازے سے ہٹ گیا۔

فاتح نے کف کے بٹن بند کرنے شروع کیے....

(پہاڑی کے دامن میں سرخ مائع میں بھیگی لاش نظروں کے سامنے گھومنے لگی....)

اس نے دوسرے کف کا بٹن کاج میں ڈالا....

(وہ دوزانو بیٹھے' جھک کے اس کا سفید چہرہ چوم رہا تھا...آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

فاتح نے خشک آنکھوں سے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے شرٹ کا نچلا بٹن بند کیا۔

(وہ ہاتھوں سے' ناخنوں سے زمین کھود رہا تھا....آنسو برابر مٹی پہ گر رہے تھے۔)

دو' تین...اس نے اوپری بٹن بند کیا اور ٹائی اٹھائی۔

(وہ گھٹڑی کو گڑھے کے اندر لٹا رہا تھا...پھر مٹی میں اَٹی آستین سے گیلی آنکھیں پونچھیں۔)

ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے وہ آئینے میں نظر آتی اپنی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

(وہ سینے پہ بازو باندھے' قبر کے سرہانے کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔)

اس نے کوٹ پہنا' شکنیں برابر کیں' اور پرفیوم اٹھایا۔

(وہ مٹی کی ڈھیری کے ساتھ اکڑوں بیٹھا تھا۔ ویران۔ خاموش۔ اب آنکھیں خشک تھیں۔ اب صرف دنیا میں خاموشی تھی۔)

پرفیوم چھڑکا' برش سے بال درست کیے' اور ایک آخری نظر خود پہ ڈالی۔ چہرہ خاموش تھا اور آنکھوں سے...آنکھوں سے جیسے کچھ چلا گیا تھا۔ کچھ ایسا جواب کبھی لوٹ کے نہیں آنا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ گھر کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ عصرہ اس کے ساتھ تھی۔ اسٹول سر پہ لئے' اس کی آنکھیں خشک مگر ویران تھیں۔ مائیک اور کیمرے ان کے سامنے تھے اور وان فاتح' تیز دھوپ کے باعث آنکھوں کی پتلیاں ذرا سکیڑے' کہہ رہا تھا....

''دنیا میں ہر مسئلہ اللہ کی طرف سے ہمارا امتحان ہوتا ہے۔اور اللہ شاہد ہے' ہم اس امتحان میں ناکام نہیں ہوئے۔''

(وہ سبز پہاڑوں کے دامن میں پتھروں سے ڈھکی قبر کے سرہانے اکڑوں بیٹھا تھا۔گیلی آنکھیں دور آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔)

''ہماری بیٹی پانچ دن پہلے کیبل کار (چیئر لفٹ) اسپاٹ پہ ہم سے بچھڑ گئی۔ پولیس تا حال اس کو ڈھونڈ نہیں سکی' لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ یہ کس کا کام ہے۔''صحافیوں نے ایک دم سوالوں کی بوچھاڑ کی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے انہیں خاموش کرایا۔

(وہ ابھی تک مٹی اور پتھروں کی ڈھیری کے کنارے بیٹھا تھا۔اردگرد پہاڑ تنہا اور خاموش کھڑے تھے۔)

''میں اپنی بیٹی کے اوپر سیاست کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا۔ہوسکتا ہے وہ ہمیں مل جائے۔ ہوسکتا ہے' وہ ہمیں کبھی نہ ملے' لیکن اس وقت ہمارا ملک ایک مشکل دور سے گزر رہا ہے۔''

(اس نے آہستہ سے قبر کے پتھروں کو چھوا۔ان پہ نرمی سے ہاتھ پھیرا۔)

''اس وقت سارے ایوان کو اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ لڑائیوں کا وقت نہیں ہے۔اگر ہم نے ان کیمونسٹ انتہا پسندوں کو شکست دینی ہے تو ہمیں اپنے ذاتی اختلافات بھلا کے ایک پیج پہ اکٹھا ہونا پڑے گا۔''

(اب وہ بکھرے ہوئے پاپ کارن چن رہا تھا۔وہ جو آنکھوں سے کھویا تھا' وہ وہیں کھویا تھا۔)

''میں کل پارلیمنٹ جاؤں گا۔ باریسن نیشنل اور ہمارے چیئر مین کے ساتھ' ہم سب کل وزیرِ اعظم آذر رحمٰن کے ساتھ بیٹھیں گے اور کیمونسٹ تنظیم کے ساتھ معاہدے کا ڈرافٹ تیار کریں گے۔'' مائیک اس کے چہرے کے آگے لہرا رہے تھے' اور کیمروں کے فلیش جل بجھ رہے تھے۔وہ دائیں سے بائیں رپورٹرز کے چہروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(جو کھویا' وہ وہیں رہ گیا۔ پاپ کارن اس نے جیب میں ڈال دیے اور اب وہ اوپر چڑھ رہا تھا....اوپر ایک لمبا سفر پڑا تھا جو اسے طے کرنا تھا....)

''میں بھولوں گا نہیں یہ سب....وزیرِ اعظم کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وان فاتح کبھی نہیں بھولے گا جو اس کی بیٹی کے ساتھ ہوا....لیکن اس وقت اگر ہم اکٹھے نہ ہوئے تو ہمارے فوجی مرتے رہیں گے۔ میں نے اپنا بچہ کھویا ہے۔میں نہیں چاہتا کہ اب مزید کوئی اپنا بچہ کھوئے۔''

(وہ اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔جھاڑیاں' پتھر' گھاس۔وہ ہر شے عبور کر رہا تھا۔آنکھیں خشک تھیں۔)

''میں کسی کے خلاف کوئی کیس نہیں کرنے جا رہا۔اس وقت میرا ملک کسی لڑائی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔میں نے....آریانہ کے معاملے کو....اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔میں اس وقت صرف امن و امان کا سوچ رہا ہوں۔آپ کے آنے کا شکریہ۔''

اس نے ہاتھ اٹھا کے ذرا سا لہرایا' پھیکا سا مسکرایا اور وہ دونوں میاں بیوی پلٹ گئے....دروازہ کھولا اور اندر چلے گئے جبکہ ان کے

پیچھے کیمروں کے فلیش دھڑا دھڑ جلتے بجھتے رہے.... بالآخر دروازہ بند ہو گیا....

وہ ابھی تک چٹان کے اوپر کھڑا تھا.... جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ زخمی سا مسکراتے ہوئے۔ سفید شرٹ بار بار ہوا سے پھڑ پھڑاتی اوراڑتی۔ وہ پاپ کارن کے ٹکڑے اس نے کسی تبرک کی طرح اپنے پاس سنبھال رکھے تھے۔ دو دانے اس کے والٹ میں ہوتے تھے۔ گزرتے ماہ و سال نے ان کو سُکھا دیا تھا مگر وہ موجود تھے۔

دور ایک ملے نوجوان کسی بھورے بالوں والی فارنر لڑکی کے ساتھ ساحل پہ چلتا آ رہا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مگن تھے۔ یکا یک لڑکے کی نظر چٹان پہ کھڑے فاتح پہ پڑی تو اس کا منہ کھل گیا

''یہ وان فاتح ہے۔'' بے یقینی سے بولا تو لڑکی نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اس جانب دیکھا' پھر ناک سکوڑی۔

''تم لوگ اس آدمی کے لئے اتنے پاگل کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ وہ وجیہہ اور خوبصورت ہے؟''

نوجوان نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا۔'' وہ ایک اچھا اور ایماندار سیاستدان ہے۔''

''ہمارے ملک میں اس طرح کے بہت سے سیاستدان ہوتے ہیں جو اتنے ہی نیچرل اور ایماندار ہوتے ہیں۔ اس آدمی میں ایسا کیا ہے جو تم لوگ اس سے اتنی محبت کرتے ہو؟ میں تمہیں جج نہیں کر رہی' صرف پوچھ رہی ہوں۔''

''پہلے اتنی محبت نہیں کرتے تھے۔ یہ اچھا لگتا تھا بس۔ لیکن پھر....'' وہ بے تابی سے دور کھڑے تنہا آدمی کو دیکھ کے بتانے لگا۔'' پھر اس کی بیٹی کھو گئی۔ کچھ کہتے ہیں وہ صرف کھوئی ہے۔ کچھ کہتے ہیں شاید وہ مر گئی ہو لیکن لاش وغیرہ نہ ملی ہو۔ مگر سارا ملک جانتا تھا کہ یہ صوفیہ رحمٰن اوران کے والد نے کروایا ہے۔ اس وقت ملک میں ویسے ہی انتشار پھیلا تھا۔ اگر وان فاتح چاہتا تو حکومت گرانے کے لئے سڑکوں پہ آتا' لوگوں کو اکٹھا کرتا' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ dividing force نہیں بنا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ خود کو ''مظلوم'' بنا کے نہیں پیش کیا۔ وہ سروائیور بن کے سامنے آیا۔ اس نے بیٹی کے نام پہ ووٹ نہیں مانگے۔ سیاستدان اپنے خاندان کی اموات یا حادثوں کو کیش کرواتے ہیں ساری دنیا میں' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ملک کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ پھر کمیونسٹ پارٹی سے مذاکرات ہو گئے اور ملائیشیاء میں امن ہو گیا۔ اس وقت سے لوگ اس کی دل سے عزت کرنے لگے ہیں۔''

''تو مذاکرات کے بعد اس نے کیس کو فالو کیوں نہیں کیا؟''

''ایسا نہیں ہوتا ہیلن۔ جب آپ ایک دفعہ وقار کا مظاہرہ کرتے ہو تو پھر تھوکے کو نہیں چاٹتے۔ جب معاملہ جانے دیا تو جانے دیا۔ بہرحال اسی دن کے بعد وہ مزید مقبول ہوتا گیا۔'' پھر موبائل نکال کے بے قراری سے بولا۔'' آؤ سیلفی لیتے ہیں اس کے ساتھ۔''

لڑکی مسکرا دی اور وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ لڑکی کے پاس ڈی ایس ایل آر کیمرہ تھا۔ وہ برابر فاتح کی تصاویر اتار رہی تھی۔ وہ اب پلٹ گیا تھا اور تصاویر پشت کی آ رہی تھیں مگر وہ بناتی گئی۔

''سر.....السلام علیکم۔'' پر جوش سا نوجوان قریب آیا اور اسے پکارا تو وہ پلٹا۔ پھر اسے دیکھ کے مسکرایا اور ہاتھ ملایا۔

''میں کریم ذوالکفلی ہوں' سر!''

''اچھا.....کیا کرتے ہو تم' کریم؟''

''سر میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوں۔ اور یہ میری دوست ہے ہیلن جو کینیڈا سے آئی ہے۔'' وہ جذبات سے گلابی پڑتا کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم سیلفی لے سکتے ہیں۔''

''شیور۔'' اس نے سر کو خم دیا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ وان فاتح نے ہاتھ سامنے باندھ لئے اور اسکرین میں دیکھ کے مسکرایا۔ لڑکا تصاویر اتارتا گیا۔ پھر جب اس نے کیمرہ نیچے کر لیا تو فاتح اس کی طرف گھوما۔

''تو تم پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہو۔ کس چیز میں؟''

''کیمسٹری میں' سر۔'' خوشی سے بتایا۔

''کریم تمہیں معلوم ہے ہمارے ملک کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت کس چیز کی ہے؟''

نوجوان نے پہلے لڑکی کو دیکھا' پھر فاتح کو' پھر ذہن میں اس کی ساری تقاریر اور انٹرویوز دہرائے' اور جلدی جلدی بتانے لگا۔

''دھاندلی کے بغیر صاف شفاف انتخابات کی۔ اور.....اور کرپشن سے پاک مضبوط اداروں کی۔ اور حکمرانوں کے احتساب کی۔''

فاتح ایک دم کھل کے ہنس دیا۔

''کریم!'' محظوظ انداز میں اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ ہمیں اس وقت تم جیسے پڑھے لکھے نوجوانوں کی سیاست میں ضرورت ہے.....!'' پھر اس کا کندھا تھپکا' اور مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔

وہ دونوں لاجواب سے.....دم بخود سے.....اس کو جاتے دیکھ رہے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ توانا اور مضبوط آدمی اب ریت پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''اسی لئے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' لڑکی نے نوجوان کو کہتے سنا تو سر کو جنبش دی۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

ساحل پہ چند سیاحوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب وہ دوڑ دوڑ کے اس کے پاس آ رہے تھے۔ فاتح مسکرا کے تصاویر بنوانے رک گیا تھا۔ دوپہر کا سورج اب ڈھل رہا تھا۔

☆......☆......☆

بوکیت چائینہ (چینی پہاڑی) ایک اونچی پہاڑی تھی جو سیاحوں کا مسکن تھی۔ یہاں صدیوں پہلے چینی شہزادی 'یان سوفو' کا محل ہوا کرتا تھا اور ایک کنواں بھی جو اس کے لئے سن باؤ نے کھدوایا تھا۔ شہزادی یان سوفو چینی بادشاہ کی بیٹی تھی جسے اس کے باپ نے کنیزوں اور

خادموں کے ساتھ ملاکہ کے سلطان مرسل سے شادی کرنے بھیجا تھا۔ سلطان نے ان کے آتے ہی یہ پہاڑی اور اس کے محلات چینی لوگوں کے لئے مختص کر دیے تھے۔ شہزادی سلطان سے شادی کر کے ملکہ بن گئی جبکہ اس کی کنیزوں اور باقی دستے نے مقامی لوگوں سے شادی کی اور یہیں آباد ہو گئے۔

وہ کنواں وانگ لی نے شہزادی کے لیے کھدوایا تھا۔ جب شہزادی سلطان سے شادی کے لیے آئی تو بادشاہ نے وانگ لی کو بطورِ خاص چین سے ملاکہ شہزادی کے ہمراہ روانہ کیا تھا۔ کنواں اب ایک سیاحتی مرکز تھا اور کہتے تھے' جو اس میں ایک دفعہ سکہ اچھالتا ہے' وہ دوبارہ ملاکہ دوبارہ ضرور آتا ہے۔

تالیہ نے البتہ سکہ نہیں اچھالا تھا۔ وہ کنویں کے کنارے خاموش کھڑی تھی۔ گھٹنوں تک آتی فراک نما قمیض پہ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ اردگرد سیاح گھوم پھر کے تصاویر اتار رہے تھے اور دوسری متبرک اشیاء دیکھ رہے تھے۔

''جے تالیہ۔'' ایڈم کی آواز پہ وہ پرسکون سی پلٹی۔

وہ سادہ سا ملے لڑکا سامنے کھڑا تھا۔ عام سی پینٹ شرٹ پہنے' چہرے پہ سفر کی تھکان' آنکھوں میں سنجیدگی۔ تالیہ سے عمر میں چار پانچ سال چھوٹا ہی ہوگا۔ اسے اس پہ غصہ نہیں آیا۔ بس کندھے اچکا کے بولی۔

''کیا چاہتے ہو؟''

''میرے پاس سکہ ہے۔ آپ کے پاس دوسرا ٹکڑا۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''تم مجھے سکہ دے دو۔ میں سرکار سے تمہیں بونس دلوا دوں گی۔''

''یعنی آپ واقعی رائل ملائیشیاء پولیس کی آفیسر تاشہ ہیں۔'' اس نے شک وشبہ سے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

''ہاں ایڈم اور وان فاتح کی حفاظت کے ساتھ ساتھ' مجھے اس خزانے کو بھی ڈھونڈنا ہے جس کی وجہ سے لوگ فاتح صاحب کے پیچھے پڑے ہیں۔'' وہ پر اعتماد تھی۔ لہجہ بھی نرم تھا۔ ایڈم کا یقین ڈانواڈول ہونے لگا۔

''اور خزانہ کہاں جائے گا؟''

''سرکار کی امانت ہے تو ظاہر ہے سرکار کے پاس جائے گا۔ مگر خزانہ ڈھونڈنے پہ ہمیں انعام میں معاوضہ بھی ملے گا۔''

''تو مزید کوئی آفیسر کیوں نہیں ہے آپ کے ساتھ؟''

تالیہ کے ماتھے پہ سلوٹ پڑی۔ وہ دو قدم قریب آئی اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

''اول تو مجھے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں' اور دوم۔ مجھے کسی دوسرے پہ اعتبار نہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ کوئی بھی آفیسر لالچ میں میری جان لے کر خزانے کے ساتھ فرار ہو سکتا ہے۔''

''اور آپ خود بھی تو یہ کام کر سکتی ہیں۔''

''اگر کر سکتی ہوتی تو اتنا بڑا کیس مجھے میرے سینئرز دیتے؟'' وہ ترکی بہ ترکی جوابات دے رہی تھی۔ ایڈم چپ ہو گیا۔ دونوں کنویں کے پاس آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے اوپر آسمان پہ سورج ڈھلتا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں سکہ دے دوں گا' مگر آپ مجھے خزانے کی جگہ پہ ساتھ لے جائیں گی۔ ہم دونوں خزانہ ایک ساتھ ڈھونڈیں گے۔ اور پھر سرکار کے حوالے کر دیں گے۔'' وہ سوچ کے بولا۔ ساتھ تھوک بھی نگلا۔ اندر کہیں وہ اس لڑکی کے رعب میں بھی تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے' میں خود سب کچھ کر لوں گی۔ بس تم مجھے سکہ دو۔''

''چے تالیہ.... اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ پہ اعتبار کروں تو آپ کو بھی مجھ پہ اعتبار کرنا ہو گا۔''

''مجھے تم پہ اعتبار ہے' ایڈم!'' تالیہ نے لہجہ نرم کیا۔ اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم کہ آپ سکہ لے کر فرار نہیں ہو جائیں گی؟''

''میں کیا کروں جو تم میرا اعتبار کرو؟''

''آپ چابی کا دوسرا حصہ مجھے دے دیں۔''

تالیہ کا تو مانو سر ہی گھوم گیا'' کیا مطلب؟ کیوں دے دوں؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟''

''میں کچھ دیر ان دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں تا کہ یہ دیکھ لوں کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے پہ اعتبار ہے یا نہیں۔''

''اور تم جو چابی لے کر بھاگ جاؤ؟''

''چے تالیہ' میں سچا انسان ہوں۔ دھوکہ نہیں دوں گا آپ کو۔ لیکن اگر آپ مجھے چابی نہیں دے سکتیں تو میں کیسے یقین کروں کہ خزانے کا انعام مجھے دیں گی؟''

اس بات پہ وہ چپ ہو گئی۔

''میں ابھی اس سکے کے ساتھ تھانے جا رہا ہوں۔ لیکن اگر آپ مجھے چابی کا دوسرا حصہ تھما دیں تو میں کسی اور کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ کی اگلی کال کا انتظار کروں گا۔ ہم اکٹھے خزانہ ڈھونڈنے جائیں گے۔''

''اگر تم کسی تھانے گئے تو میرا پراجیکٹ فیل ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ انوالوڈ ہو جائیں گے۔ اوپر والے مجھ سے خفا ہوں گے۔ جاب کے بھی کچھ پروٹوکولز ہوتے ہیں' ایڈم۔'' وہ چڑ گئی۔ کیا چیز تھا یہ لڑکا؟ اسے گھمائے جا رہا تھا۔

''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ چابی آپ نے مجھے دے دی تھی۔ مگر میرا اعتبار کمانے کے لیے آپ کو یہ کرنا ہو گا ورنہ سکہ میں نہیں دوں گا۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ وہ سکہ چرا نہیں سکتی تھی۔ زبردستی چھین بھی نہیں سکتی تھی۔ ایڈم کو وہ سکہ اپنی رضامندی کے ساتھ تالیہ کو دینا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟ ایڈم کو نہیں معلوم خزانہ فاتح کے گھر میں ہے۔ اور اس کا خواب.... اس کے مطابق وہ دونوں اکٹھے خزانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ یعنی اسے اب اپنے خواب کے آگے ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ اسے ایڈم کے ساتھ خزانہ شیئر کرنا ہوگا۔

''ٹھیک ہے۔ میں خزانے کی جگہ پہنچ کے تمہیں بلالوں گی۔ تب تک تم اس چابی کو رکھ سکتے ہو۔'' اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور سنہری زنجیر میں پروئی ڈلی نکال کے اس کی طرف بڑھائی۔ ''لیکن یاد رکھنا' اگر تم اس کو لے کر بھاگے تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی تم یاد رکھو گے۔''

''میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ امانت لوٹا دوں گا۔'' اس نے زنجیر تھام لی۔ تالیہ کا دل ڈوب کے ابھرا مگر اسے رسک لینا تھا۔

''مگر یاد رکھنا۔ تم دونوں حصوں کو آپس میں نہیں جوڑو گے۔ یہ کام میں خود کروں گی۔ سنا تم نے' ایڈم؟ تم چابی کو نہیں جوڑو گے۔'' تنبیہہ کرتے ہوئے اس نے بریسلیٹ چھوڑ دیا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں' میں اسے نہیں جوڑوں گا۔'' اس نے احتیاط سے اسے اپنی جیب میں ڈال دیا۔

''تم مجھے جھوٹا کہتے ہو نا' ایڈم۔ چلو آج میں تمہاری سچی زبان پہ بھروسہ کر کے دیکھتی ہوں۔ رات کو میں تمہیں جہاں بلاؤں' وہیں آجانا۔''

ایڈم نے سر کو خم دیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی تو وہ بول اٹھا۔

''آپ یان سوفو کے کنویں میں کوئی سکہ نہیں اچھالیں گی؟ کہتے ہیں اگر دوبارہ ملاکہ آنا ہے تو سکہ اچھالنا ہوگا۔''

وہ رکے بغیر بےگانگی سے بولی۔ ''میں دوبارہ ملاکہ آنا ہی نہیں چاہتی۔ یہ کیس ختم ہو تو میں ریٹائرڈ ہو جاؤں گی۔ دور کسی جزیرے پہ گھر بناؤں گی۔ بس۔'' اور اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گئی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہی اس نے موبائل نکالا اور اسکرین پہ چند بٹن دبائے۔

ایڈم کی جیب میں جو ننھا سا جی پی ایس ٹریسر اس نے ڈالا تھا' وہ آن ہو گیا تھا۔ وہ جہاں بھی جائے گا' تالیہ کو معلوم ہوتا رہے گا۔ وہ کسی تھانے یا کسی مشتبہ ایڈریس پہ جائے گا تو وہ جان جائے گی۔ اس سے زیادہ کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ جو چابی اتنے برس بعد بھی گھوم پھر کے اس کے پاس آگئی تھی' ایڈم اس کو اس سے نہیں چھین سکتا تھا۔

سوچوں میں گم اس نے کار اسٹارٹ کی۔

اس کا بیک پیک فرنٹ سیٹ پہ خاموش رکھا تھا۔ اندر کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ تالیہ نے رکھی ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

شام ڈھل گئی اور ملاکہ پہ رات اتر آئی۔

سن باؤ کے گھر والی گلی میں رات کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ بتیاں جگمگانے لگیں اور گاہکوں کا رش ریستورانوں کے برآمدوں میں بڑھتا گیا۔ ایسے میں سڑک کنارے ایک کیفے کے باہر تالیہ مرادا اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ بیک پیک ساتھ رکھا تھا اور بار بار اخبار کا کونہ موڑ کے سن باؤ کے گھر کو دیکھتی تھی۔

گھر کا دروازہ بند تھا اور باہر فاتح کی کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی ابھی واپس آیا تھا اور تالیہ کو امید تھی کہ اب وہ کوالالمپور جانے کے لئے نکل جائے گا۔ صبح پارلیمان کا اجلاس تھا اور فاتح کو لازمی وہاں پہنچنا ہوگا۔

بالآخر دروازہ کھلا اور وان فاتح سفری بیگ سمیت باہر آتا دکھائی دیا۔ اسی سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک چڑھائے وہ عجلت میں لگ رہا تھا۔ پھر اس کی کار زن سے تالیہ کے ساتھ سے گزر گئی تو اس نے سکون کی سانس خارج کی۔

اب اسے تھوڑی دیر مزید انتظار کرنا تھا جب گلی میں رش ختم ہونے لگے....اور وہ اندر جا سکے۔ آج واردات کی رات تھی۔ راستہ صاف تھا۔ اس نے اخبار نیچے کیا اور ویٹر کو آرڈر لکھوانے لگی۔ ہاٹ چاکلیٹ۔

وان فاتح ڈرائیو کرتے ہوئے چند گلیاں آگے آیا تھا کہ موبائل بجنے لگا۔ اس نے ڈیش بورڈ سے فون اٹھا کے دیکھا۔ ایڈم کا نمبر جل بجھ رہا تھا۔ جانے کس وقت ایڈم نے اپنا نمبر اس کے فون میں فیڈ کیا تھا۔ اب وہ ملازم نہیں رہا تھا تو یقیناً اگلی نوکری کی بات کرنا چاہتا ہوگا۔ اس سے نہیں ہوتے تھے یہ کام۔ بے زاری سے اس نے فون پرے ڈال دیا۔

وہ دوبارہ بجنے لگا۔ اب کے اس نے برہمی سے موبائل اٹھایا تو دیکھا' اس کا پیغام آیا پڑا تھا۔ فاتح نے کار کی رفتار آہستہ کی اور پیغام کھولا۔

''سر' میں ملاکہ میں ہوں۔ آپ کے گھر کے قریب۔ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔ چے تالیہ کے بارے میں۔ پلیز مجھ سے مل لیں۔''

فاتح کی آنکھیں پرسوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ کال دوبارہ آنے لگی تو اس نے فون اٹھالیا۔

''ہاں ایڈم....بولو۔''

''سر....میں جونکر اسٹریٹ پہ ہوں۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' وہ بے قراری سے بولا۔

''ایڈم مجھے لمبا سفر کرنا ہے' تم....''

''سر آپ مجھے اتنا تو جانتے ہیں نا کہ اس بات پہ یقین کرسکیں کہ میں آپ کو کسی بے کار کام کے لئے نہیں روکوں گا۔'' وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ فاتح نے گھڑی دیکھی۔

''میں جونکر اسٹریٹ کے کارنر تک آ رہا ہوں۔ میرے پہنچنے تک اگر تم پہنچ جاؤ تو ٹھیک' ورنہ میں آگے نکل جاؤں گا۔''

''میں ابھی آیا۔'' شاید وہ فوراً بھاگ پڑا تھا۔ فاتح نے رفتار آہستہ کی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

دس بجنے والے تھے....

واپس سن باؤ کے گھر والی گلی میں آ ؤ تو تالیہ کا ہاٹ چاکلیٹ کا گلاس ان چھوا رکھا تھا اور چوکنی نظریں سرخ گھر کے دروازے پہ جمی تھیں...

پھر اس نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی....

چوک پہ فاتح نے کار ایک طرف روکی' پھر اے سی فل کھول دیا اور گھڑی دیکھی۔ وہ چند منٹ ایڈم کی بات سننے رک سکتا تھا۔ خیر ہے۔ مگر دو منٹ بھی نہیں گزرے جب فرنٹ ڈور پہ دستک ہوئی پھر ایڈم تیزی سے اندر بیٹھا۔

''سر' میں جانتا ہوں آپ سوچ رہے ہوں گے کہ....''

''پہلے سانس لو' ایڈم۔'' اس نے آرام سے کہا تو ایڈم رکا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ خود پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ پھر وقت ضائع کیے بغیر وہ بولنے لگا۔ ''سر.... کیا آپ اس کو پہچانتے ہیں؟''

ایڈم نے جیب سے دونوں چیزیں نکال کے اس کے سامنے رکھیں۔ فاتح نے چونک کے دیکھا۔ ایک عصرہ کا بریسلیٹ تھا اور دوسرا سکہ۔ اس نے بھنویں اچنبھے سے اکٹھی کیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''سر' یہ مجھے چے تالیہ نے دیا ہے۔''

فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے اس نے بریسلیٹ اٹھایا اور الٹا پلٹا کے دیکھا۔ ''یہ عصرہ کا ہے۔''

''سر.... یہ اور سکہ ملا کر.... چابی بن جاتا ہے۔ یہ چابی....'' وہ ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ فاتح نے سکہ اٹھایا' اور اس کو ٹیڑھا کیا۔ سوراخ نظر آیا تو اس نے ڈلی کو اندر ڈال دیا۔ ہلکے سے کلک کی آواز آئی اور چابی مکمل ہوگئی۔ ایک لمحے کو وہ تیز چمکی اور پھر ٹھنڈی پڑ گئی۔

وہ لمحہ امر ہو گیا.....

''نہیں سر.... یہ جوڑنی نہیں تھی۔'' ایڈم فکر مند ہوا۔ ''چے تالیہ نے منع کیا تھا؟''

''مجھے مت بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ' یہ اس لڑکی کے پاس کیسے آیا؟''

وہ بھنویں بھینچے اس چابی کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ اس پہ ہندسے ابھر رہے تھے۔ 1437

''آپ چے تالیہ کو تاشہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ ان کا اصل نام ہے؟ کیا وہ کوئی پولیس آفیسر ہیں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ چونکا۔ ''وہ ایک زمانے میں تھیٹر کی کوئی ایکسٹرا ایکٹرس ہوا کرتی تھی اور اس نام کا ایک کردار کرتی نظر آئی تھی۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''تو وہ.... واقعی.... پولیس آفیسر نہیں ہیں؟''

فاتح نے بھنویں بھینچے ناگواری سے اسے دیکھا۔"مجھے شروع سے بتاؤ یہ سب کیا چل رہا ہے۔"

کار سڑک کنارے کھڑی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف ترچھے ہوئے بیٹھے تھے۔

ایڈم نے تھوک نگل کے خشک گلا تر کیا اور بولنا شروع کیا۔

سچ سچ۔ سب کچھ۔

☆......☆......☆

گلی میں رش اب ماند پڑ گیا تھا۔ دکانیں ابھی تک کھلی تھیں مگر گہما گہمی کم ہو چکی تھی۔ تالیہ اپنا ہاٹ چاکلیٹ اَن چھوا چھوڑ کے اب سن باؤ کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔

دروازے پہ تالہ تھا۔ اس نے اس میں لاک پک گھسائی' اور چند لمحوں میں تالہ کھل گیا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک پہ کوئی بھی اس طرف متوجہ نہ تھا' اور جتنے اعتماد سے وہ دروازہ کھول رہی تھی' اسے کسی نے دیکھ کے بھی گھر کی مالکن پہ محمول کیا ہوگا۔

اندر گھر سنسان اور اندھیر تھا۔ اس نے پنسل ٹارچ آن کی اور روشنی اطراف میں ڈالتی آگے بڑھنے لگی۔

کنواں کونے میں خاموش پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اس تک آئی اور اس کے دہانے سینے کے بل الٹی لیٹی اور کنویں کی دیوار کو اندر سے چھوا۔ وہاں دیوار میں کھدے ننھے ننھے سے زینے تھے جن کی مدد سے نیچے اترا جا سکتا تھا۔ اس نے عصرہ کی ویب سائٹ پہ پڑھا تھا کہ سن باؤ کے کنویں میں قدیم لاک سسٹم تھا' ان زینوں کی مدد سے جب اس کو کھولا گیا تو اندر چند پرانے سکے اور سن باؤ کے استعمال کی چیزیں ملیں جن سے معلوم ہوا کہ یہ گھر واقعی سن باؤ کا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ ان ننھے ننھے سوراخوں میں کچھ اور بھی ہوگا۔

سینے کے بل لیٹی وہ کنویں کے اندر جھکی۔ چوٹی الٹی ہو کے نیچے لٹکنے لگی۔ وہ تین سوراخ تھے۔ اتنے بڑے جتنی ایک اینٹ ہوتی ہے۔ گویا اینٹ کی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ اس نے پہلے سوراخ میں ہاتھ ڈالا۔ وہ خالی تھا۔

وہ اٹھی اور کنویں کی منڈیر پکڑ کے اندر اتری۔ احتیاط سے پہلے سوراخ میں ہاتھ رکھے' اب وہ کنویں کے اندر لٹکی نظر آ رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے دوسرا سوراخ ٹٹولا۔ وہ بھی اندر سے خالی تھا۔

اسے پسینہ آنے لگا۔ پیر کو دیوار کے ایک ابھرے پتھر پہ جمایا اور مزید نیچے اتری۔

اب تیسرا سوراخ اس کے سامنے تھا۔ تالیہ نے دھڑکتے دل سے اس میں ہاتھ ڈالا۔

یہ سوراخ زیادہ اندر تک گہرا تھا۔ آس پاس بے تحاشا کائی جمع تھی۔ اندر کوئی پتھر سا پڑا تھا جو مٹی میں جما ہوا تھا۔ وہ زور سے اسے کھینچنے لگی۔ مگر وہ نکل کے نہیں دے رہا تھا۔

چند فٹ نیچے کنویں کا پانی جمع تھا۔ عجیب حبس زدہ ماحول تھا۔ اسے پسینے آنے لگے۔ پھر پیر سے بندھا خنجر نکالا اور اندر سوراخ میں مارنے لگی۔ یہاں تک کہ پتھر علیحدہ ہو گیا۔ اس نے پتھر باہر نکالا اور دیوار کی اینٹوں کو پکڑے واپس اوپر چڑھ آئی۔

باہر آ کے اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔ صحن اندھیرے میں ڈوبا تھا سوائے ٹارچ کی روشنی کے۔ تالیہ نے روشنی پتھر پہ مرکوز کی جس پہ کائی جمع تھی اور اسے صاف کرنے لگی۔

بدقت پتھر کی سطح واضح ہوئی۔ اس پہ قدیم جاوی رسم الخط میں ایک عبارت کھدی تھی۔ کائی نے عبارت میں سبز رنگ بھر دیا تھا۔

"تکن ملایو پلانگ دی دنیا۔" (ملے قوم کبھی بھی دنیا سے غائب نہیں ہو گی۔)

یہ ہانگ تواکا مشہور قول تھا جس کو یاد کرتے کرتے ملے بچے بڑے ہوتے تھے۔

"تکن ملایو پلانگ دی دنیا۔" اس نے سوچتے ہوئے الفاظ دہرائے۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ یہ کوئی نشانی تھی۔ کوئی پہیلی۔

کیا مطلب ہوا اس کا؟

ملے نسل کبھی بھی دنیا کے چہرے سے غائب نہیں ہو گی۔

ملے نسل کبھی بھی غائب نہیں ہو گی۔

ملے نسل کبھی بھی مٹے گی نہیں.... غائب نہیں ہو گی....

اس نے آنکھیں کھولیں۔ الفاظ دوبارہ دیکھے مگر اب وہ ان کو پڑھ نہیں رہی تھی۔ وہ اس انداز کو دیکھ رہی تھی جس میں وہ لکھے تھے۔ تیر کی صورت۔ آخر میں چھوٹے ہو جاتے۔ جس پوزیشن میں پتھر پڑا تھا' اس لحاظ سے وہ نیچے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

تالیہ مسکرائی اور نیچے کنویں میں جھانکا جہاں پانی کسی بھرے ہوئے گول تھال کی صورت نظر آ رہا تھا۔

وہ پتھر کنویں کے اوپر لائی اور اسے گرا دیا۔ پتھر نے پانی میں ڈبکی کھائی اور لمحے بھر کو سکوت چھا گیا۔

وہ سر جھکائے دیکھتی رہی۔ فلیش لائٹ پانی پہ تان رکھی تھی۔

دھیرے دھیرے پانی سمٹتا گیا۔ گھٹتا گیا۔ جیسے سوکھ رہا ہو۔ یہاں تک کہ اس کی سطح نیچے ہوتی گئی۔ کائی زدہ دیواریں برہنہ ہونے لگیں۔ وہ نیچے جاتا گیا اور بالآخر.... وہ "غائب" ہو گیا۔

غائب.... یہی نشانی تھی۔

وہ کنویں میں جھانک رہی تھی کہ صحن کے دوسرے کونے میں گڑگڑاہٹ ہوئی۔ وہ چونک کے گھومی۔ مخالف طرف.... مجسمے کے ساتھ... زمین میں کچھ ابھرا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

وہ لکڑی کا ایک ٹریپ ڈور تھا۔ جیسے فرش میں لگا ڈھکن ہو۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ یہ پہلے یہاں نہیں تھا۔ مگر اب وہ کائی زدہ ڈھکن یوں نظر آ رہا تھا گویا صدیوں سے یہیں موجود ہو۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ خزانہ کنویں کے نیچے نہیں تھا۔ خزانہ اس کے نیچے تھا۔

اس نے ڈھکن اٹھایا۔ وہ آرام سے اٹھ گیا۔ تالیہ نے روشنی نیچے پھینکی۔ وہاں زینے تھے جو نیچے گم ہو رہے تھے۔ آخر میں مدھم سا ایک دروازہ تھا۔ اسے دروازے کی چابی چاہیے تھی۔ اُف ایڈم۔

''ایڈم۔ کہاں ہو تم؟'' اس نے فون ملایا اور اس کی آواز سنتے ہی بولی۔

''میں جونکر اسٹریٹ پہ ہوں۔ کیا آپ کو خزانہ مل گیا۔''

''ہاں۔ تم سن باؤ کے گھر آؤ۔''

''آپ سن باؤ کے گھر ہیں؟ وان فاتح کے گھر؟''

''ہاں۔ ڈونٹ وری وہ چلے گئے ہیں۔ تم جلدی آؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔ اور سنو۔'' آخر میں قدرے غرائی۔ ''اگر تم نے کسی بھی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں دنیا کے آخری کونے تک تمہارا پیچھا کروں گی' ایڈم۔''

''میں آرہا ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولا تھا۔

تالیہ نے بیک پیک کندھوں پہ ڈالا اور زینے اترنے لگی۔ ٹارچ کی روشنی اپنے آگے پھینکتی جا رہی تھی۔ سنہری چوٹی بنائے' منی کوٹ اور لمبی قمیض پہنے لڑکی بہت پر جوش لگ رہی تھی۔

سیڑھیاں ایک دروازے پہ جا کے ختم ہو گئیں۔

وہ لکڑی کا قدیم دروازہ تھا۔ اس پہ عجیب وغریب سے ہندسے لکھے تھے.... یہی تھا خزانے کا راستہ۔

یہی تھا اس کا وہ آخری موقعہ.... وہ آخری واردات جس کی وہ کب سے منتظر تھی۔

جزیرے کے اوپر وہ اونچا محل.... وہ پرسکون زندگی....

ان سب خوابوں کی تکمیل کا وقت آن پہنچا تھا۔ وہ جانتی تھی اس نے ایڈم کو چابی دے کر خطرہ مول لیا ہے' مگر اس کے خواب سچ بولتے تھے ہمیشہ۔ ان کے مطابق ایڈم اور وہ اس کھوج میں اکٹھے تھے۔ وہ اس کو بھی حصہ دے دے گی۔ دس فیصد۔ بس یہی بہت ہے۔

اب وہ دروازے کے ساتھ کھڑی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ موبائل اسکرین کے مطابق ایڈم کا ٹریسر جونکر اسٹریٹ سے چل پڑا تھا اور اب وہ قریب ہی تھا۔ ایڈم نے دھوکہ نہیں دیا۔ گڈ۔ وہ پر جوش سی دروازے کی سطح پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

اندر کیا ہو گا؟ ضروری نہیں ہے کہ سونے چاندی کے ڈھیر ہوں۔ اونہوں۔ ان سے بھی کچھ زیادہ بیش قیمت ہو گا اندر۔ جیسے

نوادرات۔قدیم آرٹ۔ سکے۔ برتن۔ زیورات۔ مجسمے۔کروڑوں کے بکتے تھے یہ سب۔اگر یہ خزانہ سن باؤ کے دور کا تھا یعنی پندرہویں صدی کے وسط کا' تو قریباً چھے سو سال قدیم تھا۔بلیک مارکیٹ میں وہ باری باری سب کو فروخت کردے گی' اور تمام رقم آف شور منتقل کر کے وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ڈن۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی اور ایڈم کی آواز آئی۔''چے تالیہ؟''

''نیچے آجاؤ ایڈم۔''اس نے دروازے پہ لکھے ہندسے پڑھتے ہوئے پکارا۔

''یہ آپ نے کھودا ہے؟''ایڈم نے سیڑھیوں کے اوپر سے جھانکا تو اس نے گردن اٹھائی۔

''باتوں کا وقت نہیں ہے۔مجھے چابی دو۔''اس کا سرخ سپید چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔

اوپر کھڑے ایڈم کے چہرے پہ ہیجان سا ابھرا۔

''چابی جوڑ دی گئی ہے۔دونوں ٹکڑے جڑ گئے ہیں۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آنکھوں میں غصہ در آیا۔''واٹ؟ تم....اسٹوپڈ....میں نے منع کیا تھا ناتمہیں؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو جوڑو۔''

''اس کی نہیں....میری ہمت ہوئی ہے۔''ایڈم کے پیچھے سے کوئی نکل کے سامنے آیا۔

تالیہ بنتِ مراد پتھر ہوگئی۔

وہ فاتح تھا۔

اس کا سانس رک گیا۔بے اختیار وہ دروازے کی طرف سمٹی۔مگر اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا زینے اترنے لگا۔

تالیہ کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔اس نے بے یقینی سے فاتح کے پیچھے آتے ایڈم کو دیکھا جس کے چہرے پہ افسوس تھا۔

''آپ نے مجھ سے سچ نہیں بولا تو میں نے باس سے سچ بول دیا۔''

وان فاتح اس کے عین سامنے آن رکا۔سلگتی' سخت نظریں اس پہ جمی تھیں۔تالیہ کی کمر دروازے سے لگی تھی۔بدقت تھوک نگلا۔

''توانکو!''

''تم....میرے گھر میں....کیا کر رہی ہو؟''

''میں....میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور....''اس نے بات بنانے کی کوشش کی مگر رنگت اڑی ہوئی تھی۔یہ سب بہت غیر متوقع تھا۔

''تم کوئی پولیس آفیسر نہیں ہو۔میں بتاتا ہوں تم کیا ہو۔''وہ اس کے قریب رکا اور چبا چبا کے بولا۔''لالچی' جھوٹی اور چور! یہ ہو تم!''

الفاظ تھے کہ کیا۔تالیہ نے لب بھینچ لیے۔چند گہرے سانس لیے۔تھوڑی دیر کے لیے سب خاموش رہے پھر اس لڑکی کی پیشانی پہ غصے سے سلوٹیں پڑنے لگیں۔افسوس اور طیش سے اس نے فاتح کے عقب میں زینے پہ کھڑے ایڈم کو دیکھا۔

''وہ عثمان....وہ اس دن تمہیں ٹریپ کر رہا تھا' مگر میں نے تمہیں بچایا' میں نے ہر موقع پہ تمہیں بچایا' اور یہ کیا تم نے میرے ساتھ۔چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔'' انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔(ایڈم کا دل جانے کیوں دکھا۔) پھر فاتح کو دیکھا۔''میں جو بھی ہوں اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ چابی میری ہے۔میرے بابا نے بنائی ہے۔یہ خزانہ بھی میرا ہے۔''

''یہ گھر میرا ہے۔تمہیں کس نے اجازت دی تھی تم یہاں کھدائی کرو؟'' وہ غرایا۔اتنا زور سے کہ وہ سہم کے ذرا پیچھے ہوئی' پھر دوبارہ ہمت کر کے گردن کڑائی۔

''گھر آپ کا ہے۔نیچے دبا خزانہ نہیں۔اور میں نے یہاں کوئی کھدائی نہیں کی۔یہ خزانے کا راستہ ہے۔''

''اول تو اس گھر کے نیچے کوئی خزانہ نہیں ہے' اور اگر ہے بھی سہی تو وہ سرکار کا ہے۔وہ کسی میوزیم میں جائے گا۔''

تالیہ نے تڑپ کے اسے دیکھا۔''وہ میرا ہے۔اس پہ میرا حق ہے۔خیر یہ فیصلہ ہم کورٹ میں کریں گے۔مجھے میری چابی دیں۔میں جا رہی ہوں یہاں سے۔'' دوٹوک انداز میں ہتھیلی پھیلائی۔

''اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں ایسے جانے دوں گا؟ ایڈم!'' اس نے نظریں تالیہ پہ مرکوز رکھے اسے پکارا۔

''جی سر۔''

''پولیس کو کال کرو۔ابھی۔بتاؤ کہ گھر میں چور آ گیا ہے۔''

''جی باس۔'' اس نے فون نکالا تو وہ تڑپ کے بولی۔

''میں نے کوئی چوری نہیں کی۔یہ میرا حق ہے۔یہ میرا ہے۔'' اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔وہ دروازے کے ساتھ کھڑی تھی اور فاتح اس کے عین سامنے اسے غصے سے گھور رہا تھا۔

''ایڈم' میں کہہ رہا ہوں کال کرو پولیس کو۔''

''ایک منٹ۔'' وہ جلدی سے بولی۔دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔''پولیس کو مت بلاؤ۔ہم تینوں خزانہ بانٹ سکتے ہیں آپس میں۔''

فاتح نے گویا بے بسی سے دونوں ابرو اٹھائے۔''مجھے یقین نہیں آ رہا۔تم کیا چیز ہو؟''

''آپ کو الیکشن کے لیے پیسے چاہیے ہیں' ہے نا۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔''آپ گھر نہ بیچیں۔خزانے میں سے اپنا حصہ لے لیں۔بیس فیصد اور ایڈم بھی....'' ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔''دس فیصد رکھ سکتا ہے باقی میرا۔''

''صرف دس فیصد۔'' ایڈم نے برا سا منہ بنایا تو وان فاتح نے گردن گھما کے غصے سے اسے دیکھا۔

''کوئی خزانہ نہیں بانٹ رہا یہاں۔ اول تو یہاں کوئی خزانہ ہے نہیں' اور اگر ہوا بھی تو یہ ملک کی امانت ہے۔ تم پولیس کو بلاؤ۔''
پھر واپس گھوما تو وہ کھڑی بے بسی سے لب کاٹ رہی تھی۔
''تم آج جیل جا رہی ہو۔ ایک لمبے عرصے کے لئے۔ میں نے فائل والے واقعے کو جانے دیا مگر تم میرے گھر میں آ گئیں؟''
ایڈم موبائل پہ کہہ رہا تھا۔''سن باؤ کا گھر.... وان فاتح کا گھر۔ وہاں پولیس کی ضرورت ہے۔ ایمرجنسی ہے۔'' پھر تالیہ کو دیکھا۔''ایک چور گھس آیا ہے۔ جی' جلدی بھیجیں کسی کو۔'' دوسری طرف سے یقین دہانی کروا دی گئی تو اس نے فون ہٹا لیا۔ تالیہ نے صرف تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔ پھر فاتح کو دیکھا۔
''میں نے کوئی فائل نہیں چرائی آپ کی۔ اور کہاں ہے وہ فائل؟ ابھی کیا الزام لگائیں گے آپ پولیس کے سامنے مجھ پہ؟''
''میری بیوی کا بریسلیٹ۔'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سنہری چابی نکال کے لہرائی۔
''کیا ثبوت ہے کہ میں نے یہ چرایا ہے؟ یہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں پولیس کے سامنے انکار کر دوں گی۔''
''میری بات کے آگے تمہاری بات معتبر لگے گی کیا؟'' وہ بھنویں اکٹھی کیے برہمی سے کہہ رہا تھا۔
تالیہ نے سلگ کے ایڈم کو دیکھا۔''چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔''
ایڈم نے اتنی ہی خفگی سے منہ بسورا۔''آپ نے اگر مجھ سے سچ بولا ہوتا تو....''
''تو تب بھی تم یہی کرتے' ڈفر۔ اس لئے اب چپ رہو۔'' جھڑک کے بولی تو وہ چپ ہو گیا۔
''تمہیں ایڈم کی نہیں اس وقت اپنی فکر کرنی چاہیے کیونکہ تم لمبے عرصے کے لیے جیل جا رہی ہو۔''
''ٹھیک ہے۔'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔''آپ مجھے جیل بھیج دیں مگر میں ایک دفعہ خزانہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے دروازہ کھولنے دیں۔''
''اوہ۔ تمہارے خیال میں سو کالڈ خزانہ دیکھ کے میرا ارادہ بدل جائے گا؟'' وہ تلخی سے مسکرایا۔
''کیا آپ کو خود خوف ہے کہ خزانہ دیکھ کے آپ کا ارادہ بدل جائے گا؟ آپ دروازہ کھولنے سے ڈرتے ہیں کیا؟'' وہ اپنے حواسوں پہ قابو پا چکی تھی اور اب چیلنجنگ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔
''مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ پولیس کے آنے تک دروازہ کھول کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا' تم مجھے لالچ دے سکتی ہو۔''
''دیکھتے ہیں...'' وہ اسی انداز میں مسکرائی اور دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ یہ چیلنج.... یہ مسکراہٹ.... گویا کہہ رہی ہو پیسے سے کوئی بھی خریدا جا سکتا ہے.... یہ انداز وان فاتح کو اکسانے کے لئے کافی تھا۔ وہ قریب آیا اور دروازے کے تالے میں چابی گھسائی۔

''تم جیل جاؤ گی' سمجھ آیا۔'' ایک نظر اسے دیکھا۔

تالیہ نے تعظیم سے سر ہلا دیا۔''جو حکم....تو انکو!''

تالہ ایک بڑی سی زنجیر پہ لگا تھا اور زنجیر نے دروازے کو جکڑا ہوا تھا۔ فاتح نے چابی گھمائی تو ایڈم پریشانی سے پکار اٹھا۔

''سر....اس کو مت کھولیں۔ پتہ نہیں اندر کیا ہو۔''

تالیہ نے کھول کے اسے دیکھا۔''تم تو چپ ہی رہو۔''

''میرے پاس گن بھی ہے' چے تالیہ۔'' اس نے شرٹ اٹھا کے ہولسٹر میں لگا پستول دکھایا۔''اگر آپ اس دروازے کے ذریعے فرار کا سوچ رہی ہیں تو اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔ فی الوقت میں وان فاتح کا باڈی مین ہی نہیں' باڈی گارڈ بھی ہوں۔''

تالیہ نے برہمی سے چہرہ موڑ لیا۔ فاتح صرف مسکرایا' بولا کچھ نہیں۔ وہ زنجیر اتار رہا تھا۔

''ویسے میرا نہیں خیال اندر کوئی خزانہ ہے۔ تم نے اپنا وقت اور زندگی صرف ضائع کی ہے' little thief۔'' افسوس سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ دھکیلا۔

آگے اندھیرا تھا۔ گھپ اندھیرا۔ تالیہ نے فلیش لائٹ کی روشنی پھینکی تو روش سی نظر آئی۔ پتھروں کی بنی خالی روش۔

فاتح نے ہاتھ بڑھایا۔''ٹارچ!'' بس یک لفظی حکم اور تالیہ نے چپ چاپ ٹارچ اسے تھما دی۔ اس نے روشنی آگے پھینکی اور اندر داخل ہوا۔

''سر ہمیں پولیس کا انتظار کرنا چاہیے۔'' ایڈم بے بسی سے بولا مگر وہ دونوں چوکھٹ عبور کر چکے تھے۔ وہ بھی چار و نا چار پیچھے آیا۔ دروازے میں سے آخری داخل ہونے والا شخص ایڈم تھا۔ اس کے اندر آتے ہی دروازہ ہلکی سی آواز سے بند ہو گیا۔

راہداری تاریک تھی۔ کہیں ٹپ ٹپ کی آوازیں آرہی تھیں گویا پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ تینوں قطار کی صورت آگے بڑھتے گئے۔

''پھر؟ کہاں ہے تمہارا خزانہ؟'' فاتح آنکھیں چھوٹی کیے اطراف میں دیکھتا روشنی آگے ڈال رہا تھا۔

''ہوگا۔ آگے ہوگا۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ دل تجسس سے لبریز تھا۔ اس کے خواب جھوٹے نہیں ہو سکتے تھے۔

ایک موڑ مڑ کے وہ آگے آئے تو راہداری چوڑی ہو گئی۔ دو مخالف سمتوں سے دو راہداریاں آ کے مل رہی تھیں اور دونوں میں پانی تھا۔ اتنا کہ پاؤں ڈوب جاتے۔ تالیہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا مگر وہ رکی نہیں۔ وہ چلتی رہی۔

''پانی چل رہا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟'' اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔ پیر پانی میں ڈوب چکے تھے اور وہ عجیب پانی تھا جو لگتا تھا وائبریٹ کر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے۔

اوپر چھت سے قطرے زور زور سے بہنے لگے۔ ٹپ ٹپ۔ پھر تڑ اتڑ۔ تالیہ کو پہلی دفعہ لگا کچھ غلط ہے مگر نہیں....وہ ہار نہیں مانے گی

۔خزانہ آگے ہوگا۔کسی محفوظ جگہ پہ۔

''تو کہاں ہے تمہارا خزانہ' تاشہ صاحبہ۔'' وہ جو سب سے آگے تھا' اور پانی برسنے کے باوجود آرام سے چلتا جا رہا تھا....طنز سے بولا۔تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ادھرادھر متلاشی نظروں سے دیکھتی رہی۔وہ پانی سے بھری دونوں راہداریوں کے ملاپ پہ موجود تھی۔

یکا یک وہ ٹھہری۔بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔پھراوپر۔جھماکے سے کچھ یاد آیا۔

دودریاؤں کا سنگم۔برستی بارش۔اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے مدھم روشنی میں دیکھنا چاہا۔وہ تنگ سے دودریا تھے۔زمین گدلی تھی۔اس کے پیر کیچڑ میں لتھڑ گئے تھے۔یہی تو اس کا خواب تھا۔دودریاؤں کا سنگم۔

وہ چونک گئی۔اپنے پیروں کو دیکھا۔وہ پانی اور مٹی سے لتھڑے ہوئے تھا۔

اس کے خواب علامتی نہیں تھے۔وہ مستقبل کا عکس تھے۔ہو بہو۔

''رک کیوں گئی ہو؟ چلو۔میں تمہارے خزانے والے ڈرامے کا بھی فائنل شوڈاؤن دیکھنا چاہتا ہوں۔آؤ۔'' وہ اسے رکتے دیکھ کے سختی سے بولا تو وہ چلنے لگی۔مگر حالت عجیب ہو رہی تھی۔اوپر چھت اندھیر تھی گویا آسمان ہو۔پانی ٹپ ٹپ برس رہا تھا۔وہ تینوں بھیگتے جا رہے تھے مگر چل رہے تھے۔

دوسری راہداری....یا دوسرا دریا....اب سکڑتا جا رہا تھا' یہاں تک کہ پتھروں سے بنی سوکھی روش نظر آنے لگی جیسی شروع میں دروازہ کھولتے ہی نظر آئی تھی۔اس کے آگے ایک اور دروازہ تھا۔ہو بہو پہلے جیسا دروازہ۔مگر نیا نکور۔لکڑی کی خوشبو تک آ رہی تھی۔

پانی ٹپکنا اب بند ہو گیا تھا۔

''تمہارا خزانہ تو نہیں آیا ابھی تک۔'' طنز سے بولتے ہوئے اس نے دروازے کے قفل میں چابی ڈالی۔تالیہ خاموش رہی۔ایڈم البتہ بے چین سا لگتا تھا۔

''سر....ہمیں واپس جانا چاہیے۔کیا پتہ آگے چے تالیہ کے لئے فرار کا راستہ ہو'ان کے گینگ کے ساتھی ان کا انتظار کر رہے ہوں۔''

''یہ فی الحال کہیں نہیں بھاگ سکتی۔'' تالہ کھول کے اس نے زنجیر اتاری۔چابی مدھم سی چمک رہی تھی۔تالیہ کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔اس پہ ہندسے ابھرے تھے۔863۔

''863؟'' وہ الجھن سے بولی۔ایڈم چونکا۔ہندسے اب مٹ رہے تھے۔

''اس دن اس پہ کوئی اور ہندسے ابھرے تھے 1437۔''

''1437؟'' تالیہ نے بے خودی کے عالم میں دہرایا۔فاتح نے دروازہ کھول دیا۔سامنے سیڑھیاں تھیں۔وہ تینوں چاہنے اور نہ چاہنے کے درمیان اوپر چڑھنے لگے۔جس وقت فاتح اوپر موجود ٹریم ڈور کا ڈھکن ہٹا کے پرے رکھ رہا تھا' تالیہ کے ذہن میں وہی الفاظ

گردش کررہے تھے۔

چودہ سوسینتیس.... چودہ سوسینتیس....آٹھ سوتریسٹھ....

ایک جھماکے سے اسے یاد آیا تھا۔

داتن!

☆......☆......☆

دوروز قبل:۔

حالم کے گھر کے لاؤنج میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ پین کیک' خستہ کری پف اور دیگر اشتہا انگیز لوازمات میز پہ سجے تھے اور وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ تالیہ گھڑی دیکھ رہی تھی' اس کو عصرہ کی پینٹنگ بنانے جانا تھا' مگر داتن نے اسے روک رکھا تھا۔

''یہ کتاب....شکار بازوں کے متعلق ہے....'' وہ ایک قدیم کتاب دکھاتے ہوئے بتانے لگی۔ تالیہ نے توجہ دینے کی کوشش کی۔

''اس کے مطابق ان کے پاس ایک علم ہے جس سے وہ ایک ایسی چابی بنا سکتے ہیں جو خزانے کا دروازہ کھول سکتی ہے۔''

''دیکھا۔یعنی خزانہ Exist کرتا ہے۔'' تالیہ چہک کے بولی۔

''تالیہ....'' داتن سنجیدگی سے آگے ہوئی۔ ''شکار بازوں کے مطابق وہ دنیا کے سب سے بڑے خزانے کا قفل کھول سکتے ہیں۔ جانتی ہو انسانوں کا سب سے بڑا خزانہ کیا ہے؟''

''کیا؟''

''وقت!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تو تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''وقت؟''

''ہاں۔شکار بازوں کے مطابق....اگر وہ وقت کے دروازے کو کھول لیں تو وہ وقت میں سفر کر سکتے ہیں۔کسی مستقبل کے زمانے میں جا سکتے ہیں۔کسی ماضی کے عہد میں واپس پہنچ سکتے ہیں۔''

''داتن....'' اس نے لیانہ کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔ ''کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''

''تم نے بھی تو کیا تھا نا۔'' داتن نے کہتے ہوئے کتاب اس کی طرف دھکیلی۔ تالیہ الجھن سے اس کو دیکھنے لگی۔

''میں نے کب؟''

''جب تم چرچ میں پہلی دفعہ مسز ماریہ کو ملی تھیں تو تمہارا لباس عجیب تھا اور تم عجیب لہجے میں بولتی تھیں۔تمہارے ماں باپ کا کوئی پتہ نہیں تھا' اور تم کسی گاؤں کا ذکر کرتی تھی۔کوئی تمہیں لینے نہیں آیا کیونکہ تمہارے ماں باپ....تمہارا گاؤں....وہ سب اس زمانے کے نہیں

تھے۔تمہارے بابا نے تمہیں ماضی کے کسی زمانے سے....اس دروازے کے پار بھیجا تھا...میں نہیں جانتی کیوں....لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ تم اکیسویں صدی کی لڑکی نہیں ہو۔تم کسی پرانے عہد سے آئی تھیں۔''

''ہیں؟''اس کو واقعی داتن کی دماغی حالت پہ شک ہونے لگا تھا۔

''وقت کے سفر کا اصول ہے۔جو بھی روشنی کی رفتار سے تیز چل لے' وہ وقت کی قید سے دور نکل آتا ہے۔کسی اور زمانے میں۔اور پیچھے اس کا زمانہ وہیں منجمد ہو جاتا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو۔''

''جس سکے کو تم ڈھونڈ رہی ہو وہ مظفر شاہ کے زمانے کا ہے یعنی قریباً چھے سو سال پہلے کا زمانہ۔تمہاری گردن کا یہ نشان بتاتا ہے کہ تم نے وہ دروازہ کھولا تھا۔یہ نشان صرف دروازہ کھولنے والوں کی گردنوں پہ ہوتا ہے۔وقت کی مہر۔اور مجھے یقین ہے کہ یہ دروازہ تم نے مظفر شاہ کے زمانے میں کھولا تھا۔پندرہویں صدی کے وسط میں۔وہ وقت وہیں رک گیا تھا۔تم آگے نکل آئی تھیں۔اگر تم دوبارہ واپس جاؤ تو وہ دور وہیں سے شروع ہو گا جہاں سے تم نکلی تھیں۔اسی لمحے' اسی دن سے۔یہاں جتنے سال بھی گزر جائیں' پیچھے وقت آگے نہیں بڑھا تھا۔''

''اور میں وہاں دوبارہ جاؤں گی کیسے؟''وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''کیونکہ اس چابی کے آگے کوئی خزانہ نہیں ہے۔یہ ایک دروازے کی چابی ہے' اگر تم نے اس کو کھول لیا تو آگے دو دریا ہوں گے۔ وہی دو دریا جو تم نے خواب میں دیکھے تھے۔ماضی اور مستقبل کے دریا۔ایک دفعہ تم نے وہ دریا پار کر لئے تو وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہو گی۔ میں اسی لئے تمہیں روکتی ہوں اس ملعون چابی کا پیچھا کرنے سے۔کیونکہ روانگی اور واپسی کا چکر پورا کرنے کے بعد چابی تحلیل ہو جائے گی ۔دروازہ غائب ہو جائے گا۔تالیہ تم پندرہویں صدی میں واپس چلی جاؤ گی۔اسی دن میں جب تم گیارہ سالہ بچی کے طور پہ وہاں سے غائب ہوئی تھیں۔تم کبھی واپس نہیں آسکو گی۔''وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔تالیہ نے بدقت اس کی باتوں کو ہضم کیا۔

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ میں....پندرہویں صدی کی ایک لڑکی ہوں....''

''ہاں وہ خواب یاد کرو جو اپنے بابا کے بارے میں تم نے دیکھے....جنگل لکڑیاں...مشعلیں....موم بتیاں....تم کہتی تھیں نا کہ ان میں کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔وہ زمانہ تھا۔قدیم زمانہ۔''

''یعنی کہ میں....پندرہویں صدی کے کسی لکڑہارے کی بیٹی ہوں جو شکار باز بھی تھا اور اس نے مجھے خزانہ لینے وقت میں آگے بھیج دیا۔میں نے وہ دروازہ پار کر لیا اور میں سن 2000 میں آگئی۔اور اگر اب میں واپس جاؤں تو اسی دن میں واپس جاؤں گی جب میں گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ دروازے کو عبور کر گئی تھی۔''

''ہاں۔دروازے کے پار....یہی شہر یہی ملک ہو گا۔تمہارا گاؤں' تمہارے ماں باپ ہوں گے مگر زمانہ یہ نہیں ہو گا۔ یہ

2016 ہے۔ وہ کوئی پندرہویں صدی کا سال ہوگا۔ تم وقت میں پھنس جاؤ گی۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔"

"تم واقعی ان ساری فضولیات پہ یقین رکھتی ہو داتن؟"

جواب میں داتن آگے ہوئی اور سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "یہ دنیا بہت عجیب ہے تالیہ۔ یہاں سب ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے سائنس اس کی وضاحت نہیں کرسکتی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے' لیکن اس لئے کہ سائنس کی عمر ابھی بہت کم ہے۔"

"کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کرسکتا داتن۔ یہ صرف بے کار کی باتیں ہیں۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہوائی جہاز کے بننے سے پہلے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ انسان فضا میں اڑ نہیں سکتا۔ مافوق الفطرت چیزوں کا مذاق نہ اڑاؤ۔ اگر عقل ان کو سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہوتی نہیں ہیں۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ اگر میں نے وہ قفل کھول لیا تو میں واپس اس زمانے میں پہنچ جاؤں گی جب میں پندرہویں صدی میں کسی غریب لکڑہارے کی بیٹی تھی؟ اور میں وہاں پھنس جاؤں گی.... کیونکہ ایک چکر پورا کرنے پہ چابی تحلیل ہو جاتی ہے۔"

اس کی طنزیہ ٹون پہ داتن کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ "میں جانتی ہوں یہ سب تمہارے لئے بہت انہونا ہے اور تم شاید اس پہ یقین نہ کرو لیکن...."

اور تالیہ ایک دم کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

داتن کا منہ کھل گیا۔ تالیہ ہنوز گردن پیچھے کو پھینکے ہنستی جارہی تھی۔ پھر سیدھی ہوئی اور محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیا دیومالائی کہانیاں پڑھتی رہتی ہو تم داتن۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا حقیقی دنیا میں۔ ہٹو بھئی۔" اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

پین کیک اور کری پف کی خستہ' اشتہا انگیز خوشبو وہیں پھیلی رہ گئی....

☆......☆......☆

فاتح نے لکڑی کا ڈھکن ہٹایا تو اوپر سے روشنی آرہی تھی۔ وہ تینوں باری باری باہر نکلے تو روشنی دیکھ کے لمحے بھر کو مبہوت رہ گئے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے دن جیسی روشنی؟

وہاں آس پاس اونچے درخت تھے۔ گھنے' سرسبز اور اونچے۔ دن نکلا ہوا تھا مگر درختوں کے باعث ٹھنڈی چھایا تھی۔ جیسے عصر کا وقت ہو۔

فاتح نے کلائی بلند کی اور گھڑی دیکھی۔ ڈیجیٹل واچ رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھی۔ اس کے ابرو چنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ گردن گھما کے تالیہ کو دیکھا۔

"یہ کہاں لے آئی ہو تم ہمیں؟"

''یہ تو کوئی جنگل ہے۔'' ساکت کھڑا ایڈم بول اٹھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر آسمان کو دیکھا۔

''یہاں روشنی کیوں ہے؟''

''یہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ کہاں لے آئی ہو ہمیں۔''

وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

''خزانہ....'' خشک گلے سے اس نے کہنا چاہا۔ ''دروازے کے پار خزانہ ہونا چاہیے تھا۔ کوئی قدیم خزانہ۔''

''سر' ہمیں واپس جانا چاہیے۔ مجھے تو یہ عجیب سی جگہ لگ رہی ہے۔'' ایڈم قدرے پریشانی سے بولا اور واپس مڑا۔ مگر پھر وہ دھک سے رہ گیا۔

''مجھے خزانے کی کہانیاں مت سناؤ۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے۔'' فاتح درشتی سے تالیہ سے مخاطب تھا۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''تو انکو' میرا خیال تھا یہاں خزانہ ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم یہ کون سی جگہ ہے۔ میرا یقین کریں۔''

''سر....'' ایڈم کی پھٹی پھٹی سی آواز آئی مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ غصے سے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم لمبے عرصے کے لئے جیل جا رہی ہو' یہ تو طے ہے۔ مگر پہلے مجھے بتاؤ کہ کیا کھیل کھیل رہی ہو تم ہمارے ساتھ۔''

''مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی۔ ہم تو نیچے گئے تھے۔ تو یہ جنگل کہاں سے شروع ہو گیا۔'' وہ پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

''سر....'' ایڈم حواس باختہ سا پکار رہا تھا۔ ''وہ دروازہ کہاں گیا جس سے ہم آئے تھے؟''

ان دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ زمین میں جہاں لکڑی کا ٹریپ ڈور (ڈھکن) تھا' جس کو ہٹا کے وہ اوپر آئے تھے' وہ اب وہاں نہیں تھا۔ کچی مٹی برابر تھی۔ وہ تینوں اونچے درختوں کے درمیان ایک جنگل میں کھڑے تھے۔

تالیہ نے بیگ نیچے پھینکا اور بے اختیار آگے بڑھی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت تک۔ وہ ایک ایک تنے کو ہاتھ لگا کے ٹٹول رہی تھی جیسے کچھ کھوج رہی ہو۔ خزانہ۔ راستہ۔ کوئی نشان۔ مگر وہاں نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات۔

خاموش پرسکون درختوں کے جھنڈ جو ہر جگہ پھیلے تھے۔ اتنے گھنے درخت کہ چند میٹر دور تک کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اور اوپر ان کے پتے باہم گلے ملتے تھے۔ جیسے سبز چھت سی بنی ہو۔ چھت کے سوراخوں میں کہیں کہیں سفید آسمان جھلکتا تھا۔

''ایڈم' پولیس کو کال کرو اور اپنی لوکیشن دو۔'' اسے آگے دوڑتے دیکھ کے وہ برہمی سے بولا تو شل کھڑے ایڈم نے سیل فون نکالا۔ ''سگنل نہیں ہیں۔''

''میں خود کرتا ہوں۔'' فاتح نے اپنے فون کی اسکرین روشن کی۔ سگنل غائب تھے۔ اس نے ایس او ایس بھیجنے کی کوشش کی۔ بے

سود۔ اکتا کے چہرہ اٹھایا۔ سنہرے بالوں والی لڑکی پریشانی سے ایک درخت کے ساتھ کھڑی تھی۔

''ہم کہاں ہیں؟'' وہ بے یقین سی خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

''میرے سامنے اداکاری مت کرو' تالیہ۔'' اس کو اس کے نام سے پکار کے درشتی سے بولا۔ سفید شرٹ کے آستین چڑھائے' وہ ابرو بھینچے شدید بےزار لگ رہا تھا۔

''یہ کوئی جنگل ہے۔'' ایڈم نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ ''رین فاریسٹ۔''

''پانچ سو میٹر بھی نہیں چلے ہوں گے ہم۔ میرے گھر کے اتنے قریب کون سا جنگل ہے بھلا؟ مجھے بتاؤ تالیہ' یہ کون سی جگہ ہے۔ اور یہاں رات کے ساڑھے گیارہ بجے روشنی کیوں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم' تانکو۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ خزانہ' محل' جزیرہ۔ عیش و عشرت کی زندگی۔ سب جنگل کی خاک میں مل چکا تھا۔

''تم پہلے سے جانتی تھیں کہ یہاں کیا ہے۔ بتاؤ مجھے' سب کچھ بتاؤ۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں' مجھے نہیں معلوم۔ میرا اعتبار کریں۔''

''مجھے تمہارے ایک لفظ پہ بھی اعتبار نہیں ہے۔'' فاتح نے سر جھکایا اور انگلیوں سے آنکھیں مسلیں' گویا چند لمحے کو سوچا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ چند منٹ تک وہ آگے چلتا گیا۔ درخت۔ درخت۔ نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔ وہ اب غصے کے ساتھ ساتھ بےبسی بھی محسوس کر رہا تھا۔ واپس آیا تو وہ اسی طرح شل کھڑی تھی۔

''یہ کوئی الوژن ہے' ہے نا؟ اور تم illusionist ہو۔ تم نے یہ کسی فلم کا سیٹ بنایا ہے۔ ایک الوژن۔ جہاں تم جیسے لوگ شکار کو گھیر کے اس کو ذہنی طور پہ مفلوج کر کے اس کے راز' کریڈٹ کارڈ نمبرز' بینک پاسورڈز لے لیتے ہیں۔ کیا تم میرے ساتھ اس وقت یہی کر رہی ہو؟'' وہ برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''تم ابھی تک مجھے con کر رہی ہو؟''

''میرا یقین کریں تانکو' مجھے نہیں معلوم یہ کون سی جگہ ہے۔'' وہ ایک دم زور سے چیخی۔ ساری اداکاری' سارے دکھاوے' سارے ملمعے غائب ہوگئے۔ وہ پریشان تھی۔ شدید پریشان۔

مگر فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں مان ہی نہیں سکتا کہ تم یہ سب نہ جانتی ہو۔''

ایڈم ان دونوں سے بے نیاز زمین پہ اس جگہ بیٹھا جہاں وہ ٹریپ ڈور تھا اور وہاں سے پتے اور لکڑی کی ٹھنیاں ہٹانے لگا۔ نیچے مٹی ہی مٹی تھی۔ وہ روہانسا ساہو کر سیدھا ہوا۔ ''ہم واپس کیسے جائیں گے؟''

''وہ چابی۔ وہ چابی کہاں ہے؟'' وہ چونکی۔ فاتح نے اسے گھورتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا.... مگر مٹھی باہر نکالی تو اس میں راکھ تھی۔ پل بھر کو تو وہ ساکت رہ گیا۔ پھر بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

''کیا تم نے وہ میری جیب سے نکال لی؟ کیا چیز ہو تم؟''

مگر تالیہ کی نظریں اس کی مٹھی میں موجود راکھ پہ جم گئی تھیں۔ چابی راکھ ہو گئی تھی۔ اس کا چکر پورا ہو گیا تھا۔

''نہیں!'' اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ شاید خواب ہے۔ یقیناً... میں خواب دیکھ رہی ہوں۔''

فاتح نے اکتا کے سر جھٹکا اور دوسری سمت میں آگے چلنے لگا۔ درخت در درخت۔ ایک مسلسل چڑیوں کے چہچہانے کا شور۔ دور پانی کے چلنے کی آواز گویا کوئی جھرنا بہہ رہا ہو۔ ہوا۔ آسمان۔ ہر شے حقیقی تھی۔ اس نے درختوں کو چھو کے دیکھا۔

''نہیں۔ یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ ملاکہ میں ایسا کون سا جنگل ہے؟ یہ کوئی الوژن ہے۔ یہ لڑکی ڈرامہ کر رہی ہے۔'' اس نے موبائل فضا میں بلند کیا مگر وہ سگنل کیچ نہیں کر رہا تھا۔ وان فاتح کی فرسٹریشن اور بے چینی بڑھنے لگی۔

تالیہ ایک درخت کے تنے سے لگی، آنکھیں موندے کھڑی تھی۔

''یہ یقیناً ایک خواب ہے۔ ابھی میں جاگ جاؤں گی۔'' وہ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ دل میں بار بار کوئی کہتا کہ آنکھیں کھولو، مگر نہیں۔ یہ خواب ہی تھا۔ اس کا خزانہ اصلی تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دروازے کے آگے سنسان ویران جنگل ہو۔ نہیں۔ وہ ابھی نیند میں ہے۔ جب وہ جاگے گی تو وہ وان فاتح کے گھر جائے گی۔ خزانہ کنویں کے نیچے تھا۔ وہ اسے ڈھونڈ لے گی۔

ایڈم ابھی تک زمین پہ بیٹھا ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔ پھر کسی خیال کے تحت رکا۔ ''پولیس آنے والی ہو گی۔ اوہ ہاں۔ پولیس سیڑھیاں دیکھ لے گی اور یہاں پہنچ جائے گی۔'' اس کی رنگت بحال ہونے لگی۔ آنکھوں میں امید جاگی۔ ''شکر ہے میں نے ان کو فون کر دیا تھا۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے اٹھ کھڑا ہوا۔

تبھی وان فاتح واپس آتا دکھائی دیا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور ناک پہ غصہ دھرا تھا۔ عین تالیہ کے سامنے آ کے رکا۔

''آنکھیں کھولو اور مجھے بتاؤ، لڑکی، کہ یہ سب کیا ہے؟''

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔ جنگل ایک ٹھوس حقیقت کی طرح اس کے گرد موجود تھا۔

''تو انکو...'' اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ذہن خواب کے مفروضے سے نکلا تو پریشانی پھر سے چھانے لگی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں.... میں نہیں جانتی یہ کون سی جگہ ہے۔ میں صرف خزانے کے لئے آئی تھی۔''

''مجھے کہانیاں مت سناؤ۔ مجھے سچ بتاؤ، تالیہ!'' وہ دو تین قدم قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں برہمی سے دیکھا۔ تالیہ کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔

''میں کیا کروں جو آپ کو یقین آئے کہ میں بھی اتنی ہی ناواقف ہوں جتنے آپ ہیں۔ میں سچ بول رہی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

عجیب وحشت ناک جنگل تھا۔ عجیب ناراض شخص تھا۔

''چے تالیہ' آخر آپ پورا سچ بتا کیوں نہیں دیتیں۔ آپ کو کہاں ملی یہ چابی۔ کس نے بتایا نیچے خزانہ ہے؟'' زمین پہ بیٹھا ایڈم جھلا کے بولا۔

''میں اس چابی کو خواب میں دیکھتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پیچھے خزانہ ہے' مگر میری دوست کہتی تھی کہ خزانہ نہیں ہے بلکہ ....'' وہ ٹھٹک کے رکی۔ ایک دم شل ہوگئی ہو۔ ایسے جیسے کسی نے سر پہ بیلچہ دے مارا ہو۔

''بلکہ؟'' فاتح نے غور سے تالیہ کو دیکھتے ابرو اٹھائی۔

''نہیں۔'' تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔'' وہ فضولیات بول رہی تھی۔ یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ بے یقین تھی۔

''کیا؟ مجھے بتاؤ' کیا کہا اس نے؟''

''وہ کہتی تھی کہ.... اس دروازے کے پار دو دریا ہیں' ماضی اور مستقبل کے۔ ان کو پار کر کے میں وقت میں پیچھے چلی جاؤں گی۔ کسی قدیم عہد میں جہاں سے میں کبھی واپس نہیں آسکوں گی۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''

''ظاہر ہے کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔'' وہ اکتا گیا۔

''کر سکتا ہے۔'' ایڈم کی آواز پہ دونوں نے گردن موڑی۔

''آئن سٹائن کی تھیوری ہے نا۔ اگر روشنی کی رفتار سے تیز چلو تو انسان ماضی یا مستقبل میں جا سکتا ہے اور اس کی واپسی تک وقت رک جاتا ہے۔'' وہ تحیر سے کہتا آگے آیا۔ اس کی حیرت بھری نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''تو آپ واقعی پمبورو میں سے ہیں۔ پمبورو کے بارے میں ہم بچپن میں کہانیاں سنتے تھے۔ کہ وہ وقت میں سفر کر سکتے تھے۔ انہوں نے دروازے بنائے تھے جن میں چابی ڈالنے سے وقت کا قفل کھل جاتا تھا۔'' وہ بنا پلک جھپکے تالیہ کو دیکھتا قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا۔ ''آپ کی گردن پہ نشان ہے' آپ پمبورو ہیں۔ بچپن میں ایک کہانی سنی تھی میں نے' کہ یہ نشان صرف 'مسافروں' کی گردنوں پہ ہوتا ہے۔ کیا واقعی ہم نے وقت کا دروازہ پار کر لیا ہے؟''

''شٹ اپ ایڈم۔'' وہ بے زاری سے بولا۔ ''فضول باتیں مت کہو۔ یہ سب (تالیہ کو دیکھا) اس لڑکی کا کوئی ڈرامہ ہے۔ اس کو سب معلوم ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں صرف خزانے کے لیے....''

''تم اور تمہاری کہانیاں۔'' فاتح سر جھٹک کے پلٹ گیا اور موبائل دیکھنے لگا۔ گوگل میپ۔ نو سگنل۔ وائی فائی' جی پی ایس' موبائل ڈیٹا' کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی گردن جھکی تھی۔ تالیہ اور ایڈم کی نظریں اس کی گردن پہ جم گئی تھیں۔

''آپ کی گردن پہ بھی نشان ہے' سر۔'' ایڈم متحیر سا بولا تو وہ چونکا۔ پھر بے اختیار گردن کی پشت کو چھوا۔ انگلیوں نے کھال میں کوئی فرق محسوس کیا تھا جو اس کے ماتھے کی سلوٹیں غائب ہونے لگیں۔ ایڈم نے اپنے سیل سے اس کی گردن کی تصویر بنائی اور اسکرین اس

کے سامنے کی۔ ”یہ تو چے تالیہ نہیں بنا سکتیں۔ ہوسکتا ہے وہ درست کہہ رہی ہوں۔“

وہ اسکرین پہ اپنی گردن کی پشت دیکھ کے منجمد ہو گیا۔ یہ بنا درد کے جلنے کا نشان تھا۔

”نہیں۔“ تالیہ پریشانی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ”کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔“

”سکے پہ مظفر ال سلطان لکھا تھا۔“ ایڈم تیز تیز بول رہا تھا۔ ”پہلے 1437 لکھا آرہا تھا مگر یہاں آتے ہی 863 لکھا آنے لگا۔“

”ان ہندسوں کا کیا مطلب ہے؟“ وہ اچنبھے سے بولی۔ وان فاتح ابھی تک اسکرین پہ تصویر دیکھ رہا تھا۔

”یہ سال 2016 ہے۔ اسلامی کیلنڈر کا 1437 واں سال۔ لیکن یہاں آتے ہی....“ ایڈم خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔

”ہندسے بدل کے 863 ہو گئے۔ یعنی عیسوی کیلنڈر کا 1459 واں سال۔ پندرہویں صدی کا وسط۔“ وہ دھک سے رہ گیا۔

(پندرہویں صدی سے مراد 1401 سے 1500 تک کے تمام سال ہوتے ہیں۔ جیسے 1980 انیسویں صدی میں نہیں' بلکہ بیسویں صدی میں شمار کیا جاتا ہے۔)

”کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ایسا ممکن نہیں ہے' ایڈم!“ تالیہ کو وحشت ہونے لگی۔

”1459 سن عیسوی یا 863 سن ہجری وہ سال تھا جب سلطان مظفر شاہ کا انتقال ہوا تھا۔ شاید ہم واقعی مظفر شاہ کے دور میں پہنچ گئے ہیں۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ تڑپ کے پیچھے ہوئی۔ ”میں ملائیشیاء کی ہی ایک لڑکی ہوں۔ میں کوئی پندرہویں صدی کے کسی لکڑ ہارے کی بیٹی نہیں ہوں' اچھا۔“

”یہاں دن نکلا ہوا ہے چے تالیہ۔ یہاں موبائل سگنلز نہیں کام کر رہے۔“

”جب پولیس آئے گی تو میں ان سے کہوں گا کہ تمہیں بھی اس لڑکی کے ساتھ گرفتار کر لیں ایڈم۔ کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔“ فاتح غصے سے بولا مگر اس کی آواز میں ویسی گرج نہیں تھی۔

”سر... پمبوروکی کہانیاں سب نے سن رکھی ہیں۔ شاید وہ کہانیاں سچ ہوں۔ ہم واقعی پندرہویں صدی میں....“

”یہ اس لڑکی کا کوئی کرتب ہے۔ مجھے اس کی کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے۔“ وہ اب بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ”پہلے اس نے میرے گھر سے فائل چرائی' پھر....“

تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ ”کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ میں نے آپ کی فائل چرائی' ہاں؟“

”گواہ ہیں میرے پاس۔“

''اچھا۔کیا دیکھا گواہوں نے؟ مجھے بھی تو پتہ چلے۔'' تالیہ کی آواز بلند ہوگئی۔چند لمحوں کے لئے وہ بھول گئی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔فاتح کے ابرو اسی طرح تنے رہے۔

''تم اشعر کی پارٹی سے اپنی کار لینے میرے گھر آئیں' جب گھر میں ہم لوگ نہیں تھے۔پھر تم نے میرے لاکر سے....''

''مگر چے تالیہ تو گھر نہیں آئی تھیں۔'' ایڈم حیرت سے بول اٹھا۔''ان کی کار تو میں خود ان کے گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔''

فاتح کے الفاظ وہیں ٹوٹ گئے۔اس نے ابرو اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔''تم گئے تھے؟''

''جی' مجھے مسز عصرہ نے کہا تھا کہ کار چے تالیہ کے گھر چھوڑ آؤں۔چے تالیہ تو ٹیکسی لے کر سیدھی اپنے گھر گئی تھیں۔''

فاتح نے تالیہ کو دیکھا جو چبھتی خاموش نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔پھر اس نے دوبارہ ایڈم کو دیکھا۔''تمہیں....عصرہ نے کہا تھا؟''

''جی۔اور آپ کو بتانے سے منع کیا تھا۔اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس لئے چے تالیہ کو موردالزام ٹھہرا رہے ہیں تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔اچھا تبھی مسز عصرہ نے مجھے اگلے دن آپ سے ملنے نہیں دیا' اور....''

''اچھا۔ٹھیک ہے۔بس!'' اس نے برہمی سے ہاتھ اٹھا کے روکا۔تالیہ کی سلگتی نظریں ابھی تک اس پہ جمی تھیں۔وہ ماتھے پہ بل لئے پلٹا اور ایک طرف چلتا گیا۔وہ ذہنی طور پہ ڈسٹرب ہوگیا تھا' صاف ظاہر تھا۔

تھوڑی دور وہ ایک درخت تلے رک گیا۔ان دونوں کی طرف پشت کیے' اس نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے آنکھیں کرب سے بند کیں۔(عصرہ....تم....اشعر کے ساتھ....اُف۔)

وہ دونوں وہاں خاموشی سے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔پھر تالیہ نے ایک نگاہِ غلط ایڈم پہ ڈالی۔

''یہ مت سمجھنا کہ تم نے میری حمایت کی ہے تو میں وہ سب بھول جاؤں گی جو تم نے کیا۔''

ایڈم نے جواباً خفگی سے اسے دیکھا۔''میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو منع بھی کیا تھا کہ دروازے کو مت کھولیں مگر....''

''چپ کرو۔یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

وہ ناک سے مکھی اڑاتی جھلا کے بولی۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔فاتح فاصلے پہ خاموش کھڑا رہا۔تالیہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی رہی۔اور ایڈم ایک پتھر پہ بیٹھا رہا۔

''مجھے یقین تھا کہ خزانہ ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ خود سے بولی تھی۔''خزانہ ہونا چاہیے تھا۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خزانہ نہ ہو۔''

''آپ کو اب بھی خزانے کی فکر ہے؟ ہم مصیبت میں پھنس چکے ہیں' چے تالیہ۔'' ایڈم بگڑا تو تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

''تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ وہ خزانہ میرے لیے کیا تھا۔''

''میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر یہ واقعی پندرہویں صدی ہوئی تو؟ ہم اگر واقعی وقت میں پانچ سو ستاون برس پیچھے چلے گئے ہوں' تو؟''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے اوپر دیکھا۔''یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ میں ڈھونڈتی ہوں۔'' بیگ کندھے پہ ڈالتی وہ شمال کی جانب چل دی۔ مٹی' پتھر' ٹہنیاں۔ وہ ہر شے کو جوگرز سے عبور کرتی درختوں کے درمیان آگے بڑھتی گئی۔ چند منٹ ہی چلی ہوگی کہ اسے احساس ہوا' یہ جنگل اصلی تھا اور بہت گھنا تھا۔

تالیہ مراد کا دل بیٹھنے لگا۔

یہ خزانے کا لالچ اسے کہاں لے آیا تھا۔ کیسی جگہ تھی؟ کون سی دنیا تھی یہ؟

''تم پندرہویں صدی کی لڑکی ہو تالیہ۔ کسی غریب لکڑہارے کی بیٹی جو کسی وجہ سے وقت میں سفر کر کے آگے نکل آئی تھیں۔ تم واپس جاؤ گی تو وقت وہیں سے شروع ہوگا جہاں سے تم گئی تھیں۔ جہاں سے مراد نے اپنی گیارہ سالہ بیٹی کو کھویا تھا۔'' داتن کی آواز گونجنے لگی۔ اس وحشت زدہ جنگل میں تو داتن کی آواز کی بازگشت بھی سنائی دیتی تھی۔

اسے خوف سا آنے لگا۔ فوراً پلٹی اور تیز تیز واپسی کے لیے قدم اٹھائے۔ ابھی وہ ایڈم اور فاتح سے چند میٹر ہی دور تھی کہ اس کا پیر رپٹا۔ وہ اوندھے منہ نیچے گری۔

فاتح چونک کے گھوما' پھر تیزی سے اس کی طرف آیا۔ ایڈم بھی جگہ سے اٹھا۔

گرتے ساتھ ہی وہ کراہی مگران کو اپنی طرف آتے دیکھ کے فوراً سے اٹھی اور کپڑے جھاڑے۔ منہ پہ گیلی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے ہتھیلی سے وہ صاف کی۔ پھر ٹھٹکی۔''میرے خواب۔''

''کون سے خواب؟'' وہ جو اس کو گرتے دیکھ کے تیزی سے آیا تھا' سنبھلتے دیکھ کے چہرے پہ وہی بے زاری واپس لائے رک گیا تھا۔

''میرے خواب.... وہ ہمیشہ سچے ہوتے ہیں.... میں نے خواب میں دیکھا تھا یہ جنگل.... ہم تینوں تھے ادھر اور ہماری گردنوں میں پھندے تھے۔'' وہ خود سے بول رہی تھی جیسے۔ بالکل مبہوت ہوئے۔''تو میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو مستقبل کا عکس تھے۔''

''اور کیا دیکھا تم نے خواب میں؟'' وہ بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ سوال پہ تالیہ پہلے چونکی' پھر ماتھے پہ بل ڈال دیے۔ ہاتھ جھاڑے اور 'کچھ نہیں' کہتی آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

جنگل میں تیز روشنی محض آدھے گھنٹے میں گھپ اندھیرے میں بدل جاتی تھی۔ جیسے ہی مغرب کا وقت ہوا' چند منٹوں میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اونچی ہونے لگی۔ دور جھرنے کے بہنے کی آواز البتہ برابر سنائی دے رہی تھی۔

درختوں کے درمیان ایک قطعے پہ ایڈم کہیں سے تین پتھر اٹھا لایا تھا۔ بڑے بڑے تین پتھر اور خود ایک پہ بیٹھ گیا تھا۔ اب اس ڈوبتی شام میں وہ بار بار گھڑی دیکھ کے ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''پولیس ہمیں لینے آجائے گی' کوئی تو آجائے گا۔ ان کو وہ سیڑھیاں مل جائیں گی اور پھر وہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائیں گے۔''

تالیہ ساتھ والے پتھر پہ بیٹھی اس کو سنتی رہی۔ فاتح کا پتھر خالی تھا۔

وہ دور ایک درخت کے تنے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں ٹہنی لئے اس سے پتے توڑ توڑ کے پھینک رہا تھا۔ گاہے بگاہے موبائل نکال کے دیکھتا۔ نو سگنل۔

پھر ایڈم بھی خاموش ہو گیا۔ پرندے گنگناتے رہے۔ جھرنے کا پانی بہتا رہا۔ اور حقیقت ہر گزرتے پل گہری ہوتی گئی۔ اٹل۔ اور ٹھوس۔ یہ الوژن نہیں تھا۔ یہ واقعی کوئی جنگل تھا۔ کس زمانے کا تھا' کوئی واقف نہ تھا۔ وہاں زمان اور مکان کے سارے پیمانے ختم ہو چکے تھے۔

''کوئی نہیں آیا ابھی تک۔'' تالیہ نے کلائی پہ گھڑی دیکھی۔ کوالالمپور کے وقت کے مطابق رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ مگر یہاں اندھیرا ابھی چھایا تھا۔

''کوئی آجائے گا۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ وان فاتح غائب ہو جائیں اور کوئی ان کو لینے نہ آئے۔ سارے ملک میں کہرام آجائے گا۔'' پتھر پہ بیٹھے ایڈم نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

''خیر.... میں بھی کوئی لاوارث نہیں ہوں۔ رات گھر نہ پہنچی تو وہ موٹی میرے لئے بھی آجائے گی' دیکھنا۔''

''کون موٹی؟'' وہ حیران ہوا۔

''میری برائلر مرغی جیسی دوست' لیانہ۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''کسی کو یوں موٹی نہیں کہتے' چے تالیہ۔'' وہ برا مان گیا۔

''میں تو اس کو کالی اور بدصورت بھی کہتی ہوں۔'' وہ اونچے پتھر پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی اور چہرہ دائیں ہتھیلی پہ گرا رکھا تھا۔

''کیوں؟'' ایڈم کی آنکھیں صدمے سے کھل گئیں۔ درخت تلے بیٹھا فاتح ٹہنی سے پتے توڑ توڑ کے پھینکتا جا رہا تھا۔

''کیونکہ اس سے کوئی اور پیار نہیں کرتا۔ دوست مطلب کے لئے تعلق رکھتے ہیں' اور بچے غرض کے لئے۔ کوئی اس کو صحیح غلط نہیں بتا سکتا۔ وہ پچاس سے اوپر ہے' مگر اس کا وزن بڑھتا جا رہا ہے' ڈاکٹرز نے اس کو کہہ دیا ہے کہ اگر وہ اسی رفتار سے چاکلیٹ اور جنک فوڈ کھاتی رہی تو وہ جلد مر جائے گی۔ میری نصیحتوں اور لیکچرز کا جب اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تو میں نے اسے موٹی' کالی اور بدصورت مرغی وغیرہ کہنا شروع کر دیا' تاکہ وہ اپنے وزن اور صحت کا احساس کرے۔''

''یہ تو غلط بات ہے۔'' اسے بہت برا لگا تھا۔

''تو کیا کروں؟ موٹی کہنے پہ وہ برا ہی نہیں مناتی تھی۔ بدصورت کہتی ہوں تو اب پتلا ہونے کے طریقے گوگل کرنے لگی ہے۔ دو چار نام اور رکھوں گی تو اپنے وزن کو سیریئسلی لے گی۔ اپنی لاپرواہی اور بداحتیاطی کی وجہ سے موٹے ہونے والوں کو بار باران کی صحت کا احساس دلانا چاہیے۔ کیونکہ انسان جتنا پتلا اور فٹ ہو' وہ اتنا ہی خوش اور motivated رہتا ہے۔ وہ چونکہ ایک عورت ہے اس لیے اگر کسی اور وجہ سے ڈائٹ پہ نہیں جائے گی تو کم از کم اچھا لگنے کے لئے تو چلی ہی جائے گی۔''

''پھر بھی چے تالیہ.... یہ کافی بےرحمانہ انداز ہے۔''

تالیہ نے تندہی سے اسے گھورا۔ ''تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ تالیہ تمہاری کوئی ایوریج فیری ٹیل گرل نہیں ہے جو سادہ اور معصوم سی ہو۔ میں کرمنل ہوں' اور کرمنلز ایسے ہی ہوتے ہیں' ہاں۔'' پھر ناک سکوڑ کے منہ پھیر لیا۔

دفعتاً فاتح درخت تلے سے اٹھا۔ تالیہ نے کنکھیوں سے دیکھا' وہ اب اس طرف آرہا تھا۔ وہ چہرہ موڑ کے دوسری طرف دیکھے گئی۔ وہ اس کے سامنے پتھر پہ آکے بیٹھا۔

''بولنا شروع کرو۔'' انداز غصیلا نہ تھا مگر نرم بھی نہ تھا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا؟''

''سب کچھ بتاؤ مجھے۔ شروع سے۔ سچ سچ۔''

''اور آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ میں سچ بول رہی ہوں؟ میں تو جھوٹی اور چور ہوں نا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سلگ کے بولی۔ وہ ہنوز اسے انہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں چھوٹی کیے ۔ ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے اور سفید شرٹ کے آستین اوپر چڑھا رکھے تھے۔ وہ جس فاتح سے واقف تھی' یہ اس سے مختلف نظر آتا تھا۔

''سچ کی پہچان ہو جاتی ہے۔''

''جیسے آپ کو مسز عصرہ کی باتوں کی ہو جاتی ہے۔''

''وہ الگ بات ہے۔ تم نے میری فائل....''

''میں نے آپ کی فائل چرائی ہے' بالکل چرائی ہے' لیکن آپ کے گھر سے نہیں۔''

فاتح نے بےاختیار ابرو اٹھایا۔ ''مطلب؟'' ایڈم بھی حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے وہ.... اشعر محمود کے.... سیف سے چرا کے..... آپ کو واپس کی ہے۔'' وہ اسی طرح چبا چبا کے بولی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا۔

فاتح نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''ایکسکیوزمی؟''

تالیہ آگے ہوئی' اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''کیا میرا میجک شو اچھا نہیں لگا آپ کو 'وان فاتح ؟''

پل بھر کو وہ بالکل ساکت رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔ پھر پتلیاں حیرت اور بے یقینی سے سکڑیں۔ ''تم....نہیں....''

''کیا کبھی کسی جادوگر کو اسٹیج پہ کھڑے ٹرک کا راز بتاتے دیکھا ہے آپ نے وان فاتح ؟ مگر بیک اسٹیج تو بتایا جا سکتا ہے نا۔ آپ نے کہا تھا کبھی مجھ سے ملنے آؤ حالم مگر میں نے کہا تھا نا کہ میں آپ کی توقعات کے برعکس ہوں' سر۔ ایسی خواہش نہ کریں تو اچھا ہوگا۔''

فاتح کی قوت گویائی چند لمحے کے لیے زائل ہوگئی۔

''تم....تم حالم ہو؟''

''کوئی مجھے بھی بتائے....حالم کون ہے؟'' ایڈم نے ناسمجھی سے باری باری دونوں کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ تینوں پتھروں کے گرد اُگے درخت اندھیرے میں ڈوبے خاموشی سے ان کو سن رہے تھے۔

''کیا اب میری بات کا یقین کریں گے آپ؟'' وہ شکوے سے بولی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

فاتح نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''بولنا شروع کرو۔'' اس کا سارا غصہ' کوفت' حقارت' سب غائب ہو گیا تھا۔

تالیہ نے پہلے اسے دیکھا' پھر ایڈم کو۔ ''اچھا ہو' اگر آپ لوگ مجھے جج نہ کریں۔''

''تم بولنا شروع کرو' تالیہ۔ سچ بولنا صرف شروع میں مشکل لگتا ہے' پھر یہ وقت کے ساتھ ساتھ آسان ہو جاتا ہے۔'' وان فاتح کی آواز میں نرمی تھی۔ وہ متوجہ تھا۔ سنجیدہ تھا۔ کچھ بدل گیا تھا۔ میجک شو کے الفاظ کے ساتھ ہی سارا سماں بدل گیا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی' آنکھوں کے کنارے رگڑے اور اندھیر درختوں کو دیکھ کے کہنے لگی۔ ''میرا اصل نام تالیہ مراد ہے۔ میں گیارہ برس کی عمر میں ایک چرچ میں پائی گئی تھی۔ پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ میں کہاں سے آئی ہوں' لیکن اب....'' اس نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ جہاں گھنے درختوں کے پار گہرا پڑتا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم نے ٹارچ جلا دی تھی جس سے سفید نیلی سی روشنی تینوں پتھروں کے گرد پھیلی تھی۔

''اب مجھے یقین آرہا ہے کہ شاید داتن درست کہتی تھی۔ میں واقعی پندرہویں صدی کے کسی لکڑہارے کی بیٹی ہوں جو پمبو رو تھا۔ اس نے چابی بنائی تھی ۔ جانے کس قسم کی۔ میرے باپ کو خزانہ چاہیے تھا گاؤں کے لئے۔ شاید اس نے مجھے وقت میں آگے بھیج دیا۔ اور میں اکیسویں صدی میں آگئی۔ یتیم خانے کی منتظم نے مجھ سے میرا بریسلیٹ اتروالیا تو چابی ٹوٹ گئی اور میری یادداشت ختم ہوگئی....''

وہ دونوں اسے سن رہے تھے۔ جنگل پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ پرندوں کی آوازیں دم توڑ رہی تھیں۔ اب تالیہ نے سر جھکا لیا تھا ۔''میں کچھ سال یتیم خانے میں رہی۔ پھر ایک فیملی مجھے ایڈاپٹ کر کے لاہور لے گئی۔ وہ میرے اوپر ظلم کرتے تھے۔ میں نوکرانی کی طرح

بڑی ہوئی۔ جیب خرچ اور کھانے کے لئے مجھے چوری اور جھوٹ کی عادت پڑ گئی۔ میں چھوٹی باتوں پہ بڑے جھوٹ بولتے ہوئے بڑی ہوئی۔ سات سال پہلے انٹرنیٹ پہ رشتہ ڈھونڈ کے میرے ماں باپ نے میری شادی کر دی۔''

فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔''تم شادی شدہ ہو؟''

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ گردن ہلائی۔''وہ کوالالمپور میں رہتا تھا۔ وہی آدمی جو اس روز تم نے دیکھا' ایڈم۔'' (فاتح نے فوراً ایڈم کو دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلایا۔)''ائیر پورٹ پہ آئی تو پتہ چلا وہ میرے ذریعے منی لانڈرنگ کرنا چاہتا ہے۔ میں ائیر پورٹ سے بھاگ گئی۔ داتن کے ساتھ۔ پھر اس سے طلاق لے لی اور....'' وہ بولتی گئی۔ رات گہری پڑتی گئی۔

کوالالمپور میں گزارے سات سال ....حالم بننا اور لوگوں کی چیزیں چرا کے واپس ڈھونڈ لانے کی فیس لینا...گھائل غزال...خزانہ....وہ سب بتاتی گئی۔ اپنے خواب ....تمام جزئیات کے ساتھ۔

''تم نے بتایا کیوں نہیں کہ گھائل غزال نقلی ہے؟'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے شا کی نظریں اٹھائیں۔ آس پاس اندھیرا تھا مگر چاند کی چاندنی کے باعث وہ صاف نظر آ رہا تھا۔

''کیونکہ سچ بولنا مجھے مشکل لگتا ہے۔''

''اب کیسے بول رہی ہو۔''

وہ زخمی سا مسکرائی۔''کیونکہ اب آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔''کیا؟''

''سوری ایڈم' مگر ہمیں کوئی لینے نہیں آئے گا۔ ہم وقت کی قید میں پھنس چکے ہیں اور اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چابی تحلیل ہو چکی ہے۔ دروازہ غائب ہو گیا ہے۔ اور اب چونکہ آپ (فاتح کو دیکھا) مجھے پولیس کے حوالے نہیں کر سکتے تو مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ ہاں میں چور ہوں' اسکامر ہوں' جھوٹی بھی ہوں۔ پھر کیا کر لیں گے آپ لوگ؟ سوائے مجھ سے نفرت کے؟''

''نہیں تالیہ۔ میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔'' وہ اب کے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ نہ غصہ۔ نہ کوئی ترحم۔''تم نے کہا تم اس کام کو چھوڑنا چاہتی تھیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ تمہیں احساس تھا۔ میں ماضی میں رہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

مگر ایڈم کا ذہن تالیہ کے بے رحم الفاظ پہ اٹک گیا تھا۔''آپ ہمت کیوں ہار رہی ہیں؟ پولیس ہمیں لینے آ جائے گی۔''

''کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ ہم واپس نہیں جا سکتے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''آئے گا' ضرور آئے گا۔ میں پازیٹو ہوں۔ سر' کیا انسان کو مثبت نہیں ہونا چاہیے؟'' اس نے دکھی ہو کر فاتح کو مخاطب کیا۔

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگا تھا۔ آسمان سے آوازیں آنے لگی تھیں۔ گڑگڑاہٹ۔ ذرا سی بجلی چمکی

اور پھر... تڑا تڑ بارش برسنے لگی۔

''یا اللہ!'' تالیہ نے بوکھلا کے بیک پیک سر پہ تانا۔ تینوں تیزی سے کھڑے ہوئے مگر بوچھاڑ اتنی تیز تھی کہ چند لمحوں میں ہی بھیگ گئے تھے۔

''ہمیں کوئی شیلٹر ڈھونڈنا ہوگا۔'' فاتح نے ٹارچ اٹھا کے روشنی ایک طرف پھینکی۔

''پولیس آئے گی۔ کوئی تو آئے گا۔'' ایڈم اسی طرح مغموم سا کھڑا بھیگ رہا تھا۔ اسے اور کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔

''میں نے اس طرف چٹانیں دیکھی تھیں۔ میرے ساتھ آؤ تم دونوں۔ ایڈم میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ آؤ۔'' وہ بلند آواز میں بولا تو ایڈم چونکا اور پھر اس کے پیچھے چلنے لگا مگر وہ غائب دماغ لگتا تھا۔

جنگل میں اندھیرا تھا اور چاندنی مدھم سی درختوں کے درمیان پہنچ رہی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ پورے چاند کی رات تھی ورنہ درخت اتنے گھنے تھے کہ سورج کی روشنی بھی پوری اندر داخل نہ ہو پاتی تھی۔

''چلو ایڈم۔'' وہ بار بار رک جاتا تو تالیہ کو جھڑک کے کہنا پڑتا۔ فاتح رامزل سب سے آگے تھا۔ ٹارچ کی روشنی راستے میں پھینکتا وہ راستہ دکھا رہا تھا۔ درختوں کے درمیان پتھروں' کیچڑ' پتوں اور سوکھی ٹہنیوں کا خاردار راستہ جس کو وہ تینوں آگے پیچھے عبور کر رہے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' تڑتڑاتی بوندوں کے درمیان وہ چلا کے بولی۔

''اس طرف ایک چٹان میں کھوہ سی بنی تھی۔'' وہ مڑے بغیر تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔

''مزید کتنا چلنا پڑے گا؟''

وہ تیورا کے گھوما۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ بال ماتھے پہ گیلے ہو کے جمے تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ اس کے رکنے پہ وہ بھی ہڑبڑا کے رکی۔ ''تم پکنک پہ آئی ہو یہاں' ہاں؟''

''میں بس پوچھ رہی تھی۔'' وہ خفیف ہوئی۔ وہ اسے گھور کے واپس مڑا اور تیز تیز چلنے لگا۔

چند منٹ وہ اس گھنے' اندھیر جنگل میں چلتے رہے۔ ساری دنیا جیسے ختم ہو گئی تھی۔ سارے شہر صفحہ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ کائنات بس ایک جنگل تک محدود تھی اور وہ اس میں موجود واحد انسان تھے۔ جیسے طوفانِ نوح ابھی گزرا ہو.... پانی سمٹ چکا ہو....اور ان کو دنیا پھر سے آباد کرنی ہو....

ایسی حسین وحشت.....

ایک ڈھلان کے نیچے کھوہ سی بنی تھی۔ چھوٹا سا غار جو پتھروں کے گرنے کے باعث بن گیا تھا۔ اس کا دہانہ کھلا تھا اور وہاں پانی کا تالاب سا بنا پڑا تھا۔ فاتح اس کے کنارے آ رکا اور اسے اشارہ کیا۔ (اندر آ جاؤ۔) وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اندر بارش نہیں تھی۔ خشک

بھورے پتھروں کی غار.... جیسے کوئی محفوظ سائبان ہو۔ اس نے بیگ اتار کے نیچے پھینک دیا۔ سکون سا محسوس ہوا تھا۔

"اندر آ ؤ' ایڈم!" فاتح ابھی تک غار کے دہانے پہ بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ ایڈم قدرے سست روی سے غار میں آیا اور سیدھا ایک کونے میں جا کھڑا ہوا۔ ان دونوں کے سائبان میں آ جانے کے بعد وہ اندر داخل ہوا۔

"کیا کوئی بھی ہمیں بچانے نہیں آئے گا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم غائب ہو جائیں اور کسی کو پرواہ بھی نہ ہو۔" ایڈم وہیں کونے میں بیٹھ گیا اور تھوڑی گھٹنوں پہ ٹکا دی۔ وہ اداس دکھائی دیتا تھا۔ فاتح نے ٹارچ جلا رکھی تھی جس کی روشنی غار کی دیوار پہ گر رہی تھی۔ پورا غار نیلی سرمئی روشنی سے روشن ہو گیا تھا۔

"کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ بغیر چابی کے کوئی وہ دروازہ کیسے کھولے گا؟ یاد ہے تمہارے پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا۔" تالیہ اکتا کے بولی۔

"مگر ہمیں مثبت سوچ رکھنی چاہیے۔ یقیناً کوئی آئے گا اور ہمیں بچا لے جائے گا۔"

فاتح خاموشی سے متصل دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ مسلسل ٹارچ کا بٹن جلا بجھا رہا تھا۔ غار میں روشنی پھیلتی' پھر اندھیرا چھا جاتا۔ پھر روشنی' پھر اندھیرا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ ہم مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔"

ایڈم کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ "کیا کسی کو ہماری پرواہ بھی نہیں ہو گی؟"

"میں بتا رہی ہوں نا' ہم نے دروازہ بند کر دیا تھا۔"

مگر ایڈم نے سر دونوں بازوؤں میں چھپا لیا۔ "یا اللہ.... میرا کیا قصور تھا؟" وہ بے بسی سے روہانسا ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ چے تالیہ ہمیں اس مصیبت میں پھنسائیں گی تو میں کبھی بھی ملاکہ نہ آتا۔ میں کے ایل سے بھی دور بھاگ جاتا۔"

"میں نے پھنسایا ہے مصیبت میں؟" وہ غصے سے بلبلائی۔ "کتنا کہا تھا مجھے سکہ دے دو' تمہیں خود شوق ہوا تھا سراغ رساں بننے کا۔ ہم تمہاری وجہ سے اس میں پھنسے ہیں۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں تھا کچھ بھی بننے کا۔" اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ "میری شادی ہے دو ماہ بعد۔ میری ایبو اور بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"تمہیں لگتا ہے مجھے شوق تھا اس.... اس جنگل میں پھنس جانے کا؟ میں کے ایل میں کتنی خوش تھی' میرے کتنے خواب تھے' تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"میں بھی کے ایل میں خوش تھا۔ مجھے نہیں چاہیے تھا خزانہ۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کا کہا تھا۔"

''سارا قصور تمہارا ہے' تم فاتح صاحب کو بھی درمیان میں لے آئے' تم نے مجھے مشکل میں ڈالا ہے' میں نے تمہیں نہیں۔''

وہ دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا' اور تالیہ کھڑی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف چہرہ موڑے تیز تیز بولے جا رہے تھے۔

وہ کمر پہ ہاتھ رکھے ان کو دیکھے گیا۔ افسوس سے....ناپسندیدگی سے....

بارش تھم گئی تھی۔ جیسے وہ ایک لمحے میں اچانک سے شروع ہوئی تھی' ویسے ہی اچانک سے تھم گئی۔ وہ دونوں ابھی تک ترکی بہ ترکی ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرا رہے تھے۔ فاتح غار سے باہر نکل آیا۔

پتوں اور سوکھی ٹہنیوں سے اٹی زمین کی مٹی گیلی ہو چکی تھی۔ پھسلن زندہ اور گیلی۔ دو قدم چلنا محال تھا۔ وہ ٹارچ کی روشنی سامنے پھینکتا چند میٹر دور چلتا آیا۔

یہاں ایک بڑا سا گڑھا بنا تھا جس میں بارش کا پانی تالاب صورت جمع ہو گیا تھا۔ وہ اس کے کنارے آ رکا اور سامنے دیکھا۔

پانی کے دوسرے کنارے پہ آریانہ کھڑی تھی۔ فاتح زخمی سا مسکرایا۔

اسے کبھی خواب نہیں آتے تھے۔ جتنی ڈسٹرب نیند وہ سوئے' وہ خواب نہیں دیکھتا تھا۔ آریانہ تو اسے کبھی خواب میں نہیں دکھائی دی تھی۔ عصرہ کے خوابوں میں وہ اکثر آتی تھی۔ البتہ جب وہ بہت پریشان ہوتا' وہ تصور کرتا کہ آریانہ اس کے سامنے کھڑی ہے اور وہ اس سے بات کر رہا ہے۔ صبح جاگنگ پہ جاتے ہوئے.... کبھی اپنے ڈریسر مرر کے سامنے ٹائی باندھتے ہوئے....وہ اپنا ذہن کلئیر کرنے اور کسی نتیجے پہ پہنچنے کے لئے اپنا مسئلہ اس تخیلاتی آریانہ کے سامنے رکھا کرتا تھا جو دراصل اس کے سب کانشس مائینڈ سے نکات ڈھونڈ ڈھونڈ کے لاتی اور اس کو جواب دیتی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ خود سے باتیں کر رہا ہے' مگر اسے آریانہ کو اس گفتگو کا مخاطب بنانا اچھا لگتا تھا۔

''ڈیڈ!'' وہ سفید لباس میں ملبوس ہئیر بینڈ لگائے' سامنے کھڑی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا۔''

''آپ پریشان ہیں؟''

''بہت زیادہ۔''

''کیوں؟''

''میں پھنس گیا ہوں آریانہ۔ میں اس جادوئی دنیا میں پھنس گیا ہوں۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''اور آپ غصہ بھی ہیں۔''

''ہاں۔ مجھے ان دونوں پہ غصہ آ رہا ہے جو ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ مجھے لوگوں کا مظلوم بننا نہیں اچھا لگتا۔''

''تو لوگ کیا کریں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان بارش کے پانی سے بھرا نالہ حائل تھا۔

''اس بات کو سمجھ لیں کہ کوئی ہمارے ساتھ برا نہیں کرتا۔ یا تو ہم اسے اجازت دیتے ہیں۔ یا وہ ہماری تقدیر ہوتی ہے۔''

''اور یہ سمجھ کے وہ کیا کریں؟''

''کیا مطلب کیا کریں؟'' اس نے خفگی سے بھنویں بھینچی۔ ''دوسروں کو اپنی حالت کا الزام دینا چھوڑیں' اپنی قسمت کو قبول کریں اور باہر نکل کے دنیا کا مقابلہ کریں۔'' کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''اور جو برے واقعات سے ہمارا دل غم کا شکار ہو جاتا ہے' اس کا کیا' ڈیڈ؟'' وہ یاسیت سے پوچھ رہی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا میں اس کے ہیئر بینڈ سے نکلتے بال اڑ اڑ رہے تھے۔

''انسان برے واقعے کو اپنی یادوں میں خود اچھا واقعہ بھی بنا سکتا ہے۔''

''کیسے؟'' آریانہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''یہ دیکھ کے کہ غلطی کہاں ہوئی اور شکر ادا کر کے کہ اسے ایک سبق سیکھنے کا موقع ملا۔'' وہ اب قدرے آرام سے بول رہا تھا۔ اس کا ذہن دھیرے دھیرے ریلیکس ہو رہا تھا۔

''کیا آپ اس مصیبت کو فیس کر رہے ہیں جو آپ کو پھانسے ہوئے ہے؟''

''میں کم از کم کسی کو الزام نہیں دے رہا۔''

''مگر آپ لیڈر ہیں' ڈیڈ۔ لیڈر کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ آپ کو وہ چرواہا بننا ہے جو سرکش بھیڑوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان سے کام لینا جانتا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے افسوس سے کہہ رہی تھی۔ ''مگر مجھے تو لگ رہا ہے کہ آپ نے خود بھی ان حالات کو قبول نہیں کیا ابھی۔''

''میرا ایک ملک ہے پیچھے' آریانہ۔ مجھے....ایک....ملک چلانا ہے۔''

''وہ ملک اب پیچھے رہ گیا ہے' ڈیڈ۔'' اس کے الفاظ وان فاتح کے دل میں بھالے کی طرح کھب گئے۔ تکلیف اتنی تھی کہ چہرے پہ ظاہر ہونے لگی۔

''میں نے اتنے سال ایک مقصد کے لئے کوشش کی ہے۔ وہ....میرا....ملک ہے آریانہ! مجھے اگلے ہفتے تک الیکشن کے لیے پیپرز جمع کروانے ہیں۔'' درد اس کے دل سے ہوتا سارے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔

''اب وہ سب ختم ہو گیا ہے ڈیڈ۔ اب آپ کو اس جنگل کو قبول کرنا ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں بے پناہ زخمی پن تھا۔ ''میرے بغیر میرے ملک کا کیا ہوگا؟''

''آپ کو اس وقت یہ سوچنا ہے صرف کہ آپ کے بغیر آپ کا کیا ہوگا؟'' وہ بھی دکھی لگ رہی تھی۔

''کیا میرا ملائیشیا وقت کی دھول میں غائب ہو گیا ہے' آریانہ؟''اس کے حلق میں کچھ پھنسا۔

''ہوسکتا ہے وہ دوبارہ کسی موقع پہ ظاہر ہو جائے' ڈیڈ۔مگر اس وقت آپ ''سلطنتِ ملاکہ'' میں ہیں۔ یہ جنگل اور اس سے مقابلہ کرنا ہی سب سے بڑی لڑائی ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا مجھے کیا کرنا ہے۔''

''ڈیڈ!'' وہ نرمی سے مسکرائی۔''میں اتنے گھنٹوں سے دیکھ رہی تھی۔آپ اس درخت کے پاس اداس بیٹھے تھے۔آپ اتنی جلدی اداس نہیں پڑتے تھے مگر وہ آپ کا فطری ردعمل تھا۔آپ انسان ہیں' آپ گھبرا سکتے ہیں' میں مانتی ہوں۔لیکن آپ بہت بہادر انسان ہیں' آپ نے زندگی میں اس سے بڑے امتحان دیکھے ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔''یہ جنگل ڈسٹرکٹ اٹارنی آفس کی دوسری کیمپیئن سے زیادہ خوفناک نہیں ہے۔''

''یاد ہے ڈیڈ' کتنے مسئلوں میں پھنسے تھے ہم' مگر نکل آئے تھے نا۔'' وہ ہلکا سا ہنس دی تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

''تو اب میں کیا کروں؟''

''آپ نے اپنے ساتھ ان دونوں کو بھی جنگل سے نکالنا ہے۔''

''وہ دونوں میرے لیے اجنبی ہیں۔ایک میں مجھے دلچسپی نہیں اور دوسری مجھے شدید ناپسند رہی ہے۔''

''لیکن آپ پھر بھی ان کو سنبھال سکتے ہیں' ڈیڈ۔پارٹی چیئرمین کا الیکشن ابھی نہیں ہوا مگر سب جانتے ہیں کہ موجودہ چیئرمین کی پچھلے ایک سال سے غیر دلچسپی کے باعث باریسن نیشنل کو آپ ہی سنبھال رہے ہیں۔''

''وہ ایک سیاسی پارٹی ہے' بیٹا۔وہ اور بات ہے۔''

''سیاست ایک جنگل ہے اور باریسن نیشنل کے اس وقت ڈھائی لاکھ سے زیادہ ممبرز ہیں۔آپ کے کارکن جن سے آپ ہر وقت ای میل' فون' جلسوں' اور باہمی ملاقاتوں کے ذریعے جڑے رہتے ہیں۔آپ سے جو کارکن ایک دفعہ ملاقات کر لے آپ کو وہ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔آپ سیاستدان ہیں۔ڈونٹ ٹیل می جو شخص اپنے ہزاروں کارکنوں کے نام تک یاد رکھتا ہے' وہ ان دو لوگوں کو نہیں سنبھال سکتا؟''

وہ بالآخر مسکرا دیا۔''تم چاہتی ہو میں ان دونوں کے بارے میں اپنے جذبات پس پشت ڈال کے ان کو کارکنوں کی طرح ٹریٹ کروں؟ ان سے کام لوں اور ان کو لیڈ کرتے ہوئے اس جنگل سے نکالوں؟''

''آپ کو یقین آ چکا ہے ہے اب تک ڈیڈ' کہ آپ واقعی وقت میں پیچھے جا چکے ہیں۔آپ کو جنگل سے نکلنا ہو گا اور آبادی ڈھونڈنی ہو گی۔اس کے لیے آپ کو وہی کرنا ہو گا جو آپ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔''

''Like Father, Like Daughter !'' وہ کھل کے مسکرایا۔

نالے کا دوسرا کنارہ اب خالی تھا۔آریانہ جا چکی تھی۔

وان فاتح کے ذہن کے سارے جالے صاف ہو چکے تھے۔اس نے آنکھیں بند کر لیں۔چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر آنکھیں کھولیں تو وہ ایک مختلف انسان نظر آتا تھا۔وہی جو پارلیمان میں گردن کڑا کے کھڑا ہوئے تقریر کرتا تھا...جو کسی جلسے میں اسٹیج پہ کھڑا مسکراتے ہوئے عوام کی طرف ہاتھ ہلاتا تھا....جو کیمپین آفس میں تیز تیز چلتے ہوئے تحکم سے سٹاف ورکرز کو ہدایات جاری کرتا تھا....وہ چند گھنٹوں کے لئے کھو گیا تھا مگر اب وہ واپس آچکا تھا۔اس کے قدم تیزی سے غار کی طرف اٹھنے لگے۔

واپسی کا سفر ویسے بھی جلدی طے ہو جاتا ہے۔

وہ غار کے دہانے تک آیا تو وہ دونوں ابھی تک درشتی سے بحث کر رہے تھے۔تلخ کلامی اب تالیہ کے چور ہونے تک پہنچ چکی تھی، اور وہ جواباً اس کو سکے کا لالچ آجانے کا طعنہ دے رہی تھی۔فاتح نے ٹارچ جلا کے ایک کونے میں کھڑی کی تاکہ سارا غار روشن بھی ہو جائے اور کسی کی آنکھوں میں روشنی بھی نہ پڑے۔

''وہ ٹھیک کہہ رہی ہے ایڈم۔'' وہ سنجیدہ آواز میں بولا تو دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ہمیں لینے کوئی نہیں آئے گا۔انتظار ترک کر دو۔''

تالیہ کے لب ابھی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے تھے کہ....

''مگر وہ غلط کہہ رہی ہے کہ ہم کبھی واپس نہیں جا سکتے....ہم جائیں گے اور ضرور جائیں گے کیونکہ نہ میں ایڈم کی طرح انتظار کرتا ہوں کہ دوسرے آکر مجھے مصیبت سے نکالیں، نہ میں تالیہ کی طرح دنیا میں صرف تلخ حقیقتوں کو دیکھتا ہوں۔'' تالیہ کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ناک سکوڑ لی۔

''مگر سر...کوئی آئے گا۔ہمیں امید رکھنی چاہیے۔آپ تو خود کہتے تھے کہ ہمیں مثبت سوچنا چاہیے ہمیشہ۔'' اس کے الفاظ غار سے ٹکرا کے واپس پلٹ رہے تھے۔باہر پانی اور پرندوں کا شور پھر سے سنائی دینے لگا تھا۔

''دوسروں پہ تکیہ کرنا مثبت سوچ نہیں ہوتا۔وان فاتح نے کبھی دوسروں کا انتظار نہیں کیا کہ وہ آکر اس کو مصیبت سے نکالیں گے۔ ہمیشہ خود کوشش کی ہے۔اس سے بڑے بڑے جنگل دیکھے ہیں میں نے اور میں کبھی نہیں ہارا۔مجھے نہیں معلوم ہم کتنے وقت کے لیے اس جگہ پھنسے ہیں مگر دو باتیں آج دماغ میں بٹھا دو۔''

وہ دونوں دم سادھے اس کو بولتے دیکھ رہے تھے۔رعب سا رعب تھا۔ادب سا ادب تھا۔ایڈم دھیرے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''پہلی بات، ہم یہاں کسی دوسرے کی وجہ سے نہیں پھنسے۔ہم اپنی مرضی سے آئے تھے۔اور دوسری یہ کہ....ہم یہاں سے....واپس اپنی دنیا میں....ضرور جائیں گے۔اِز دیٹ کلیئر؟''

تالیہ نے سر ہلا دیا۔ایڈم نے سر جھکا دیا۔

''مگر تب تک ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ایڈم....تم ملٹری میں رہے ہو' تم نے جنگل میں ٹریننگ حاصل کی ہوگی۔تم تالیہ کو بتاؤ' جنگل کے بارے میں پہلی بات کیا پڑھائی جاتی ہے؟'' وہ آستینوں کو مزید موڑتے ہوئے کسی کمانڈر کی طرح حکم دے رہا تھا۔

ایڈم نے چہرہ اٹھایا اور خالی خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

''بتاؤ ایڈم....ساری دنیا کے جنگلوں کے بارے میں پہلی اور بنیادی بات کون سی بتائی جاتی ہے؟''

ایڈم کے لب ہلے۔

''Never Fight the Jungle.''

غار میں ایک دم ہیبت ناک سی خاموشی چھا گئی۔تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''سنا تم نے تالیہ۔ہم دونوں جانتے ہیں اس بات کو۔تم بھی جان لو۔جنگل سے کبھی لڑائی نہیں کی جاتی۔صرف اس کے اندر سے راستہ بنا کر اس سے نکلنا ہوتا ہے کیونکہ جنگل اور انسان کی لڑائی میں جنگل ہمیشہ جیت جاتا ہے۔''

''لڑیں گے نہیں تو زندہ کیسے رہیں گے؟''اس کا دل ڈوبا۔

''زندہ رہنے کے لئے لڑنا ضروری نہیں ہے' خود کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔'' وہ قدرے نرمی سے بولا تو تالیہ نے سر ہلا دیا مگر وہ ابھی تک متذبذب لگتی تھی۔کیا یہ وہی آدمی تھا جو اتنے دن اس کو نظر انداز کرتا یا جھڑکتا نظر آیا تھا۔اس کے بعد بے اعتباری کا فیز آیا۔پھر سچ سن کے چپ ہو گیا اور اب.....؟؟ اتنا نرم؟ اسے حوصلہ ہوا۔

''کیا ہم....واقعی واپس جا سکتے ہیں۔''

''اگر ہم آ سکتے ہیں' تو جا بھی سکتے ہیں۔میں نہیں جانتا کب' لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کو واپس لے جانے کے لئے مجھے جو کرنا پڑا' میں کروں گا۔''

''مگر....''

''تالیہ....'' وہ ایک دم الرٹ سا سیدھا ہوا۔''ہلنا مت۔''

وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔آنکھیں حیرت سے چھوٹی کیں۔''کیا ہوا؟''

''ساکن کھڑی رہو۔بالکل اسٹل۔خاموش اور اسٹل۔اب میں جو کہنے جا رہا ہوں' اس پہ ری ایکٹ مت کرنا۔''

وہ بالکل ساکت ہو گئی' مگر چہرے پہ حیرانی تھی۔نظریں گھما کے ایڈم کو دیکھا جو دھیرے دھیرے اس سے دور ہٹ رہا تھا۔

''سس....'' اس نے تب وہ پھنکار سنی۔سارا وجود سن ہو گیا۔

''ریلیکس رہو۔ تمہارے سر کے اوپر سانپ ہے اور یہ زہریلا ہے۔ مگر ہلنا مت تالیہ۔ ہلنا مت۔'' وہ پلک جھپکے بنا اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ دم سادھے کھڑی رہی۔ پھر پلکیں جھپک کے اثبات میں اشارہ کیا۔

ایک سیاہ چمکیلا سانپ اوپر دیوار پہ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔

''اگر تم اچانک ہلیں تو یہ حملہ کر دے گا۔ سانپ ہمیشہ ڈر کے حملہ کرتا ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔ ''ایڈم.... تم بہت آہستہ سے نیچے پڑا بیگ اٹھاؤ اور کھولو۔ تالیہ مجھے بتاؤ' تمہارے پاس کوئی نوکیلی چیز ہے۔''

''خنجر ہے۔'' وہ بدقت بول پائی۔ وہ دیوار سے لگی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور پیشانی پہ پسینہ آ رہا تھا۔ ایڈم نے آہستہ سے پیر سے بیگ کو قریب کیا اور دھیرے دھیرے نیچے بیٹھا....

سانپ ہل نہیں رہا تھا مگر گردن دائیں بائیں کر کے وہ آگے پیچھے دیکھ رہا تھا۔

''سانپ دشمن ہوتا ہے۔ اور دشمن کو ہرانے کا طریقہ کیا ہے' جانتی ہو؟'' وہ تالیہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا ۔ ایڈم نے بیگ کی زپ کھولی۔

''کیا؟'' اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔

''دشمن کے سامنے panic نہیں کرتے۔ خود کو ریلیکس رکھتے ہیں۔ اس کو علم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس سے ڈرتی ہو۔''

ایڈم نے بیگ کھولا.... اندر چند اوزار رکھے تھے۔ خنجر سامنے ہی تھا۔ سب کچھ بھیگا ہوا تھا۔ اس نے خنجر نکال کے فاتح کے ہاتھ میں دیا۔

''آپ کو....'' وہ فاتح کو دیکھتے ہوئے رک رک کے بولی۔ ''لگتا ہے کہ.... میں.... panic کر رہی ہوں؟''

''ظاہر ہے تم panic کر رہی ہو.... بلکہ تم سفید پڑ رہی ہو.... ریلیکس.... ایک سانپ ہی تو ہے۔'' اس نے خنجر دستے سے ہاتھ میں پکڑا۔ نظریں کسی شکاری کی طرح سانپ پہ جمی تھیں۔

''میں.... خوفزدہ.... اس لئے نہیں ہوں کہ....'' اس کے ابرو سے پسینے کے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور لب ہلائے بغیر بدقت بول رہی تھی۔ ''کہ مجھے سانپ کا ڈر ہے۔''

''رئیلی.... پھر....'' وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ قریب آ رہا تھا....

''مجھے.... اس بات کا ڈر ہے کہ.... آپ دونوں....'' اس نے گلابی پڑتی آنکھوں سے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''مجھے.... اس سانپ کے.... حوالے کر کے.... اکیلا.... چھوڑ جائیں گے۔''

وہ ٹھہرا۔ قدرے بے یقینی' قدرے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں لگتا ہے میں اتنا برا ہوں؟''

''نہیں۔آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنی بری ہوں۔'' ایک آنسو آنکھ کے کنارے سے ٹپکا اور پسینے کے ساتھ خلط ملط ہو گیا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔سانپ پہ نظریں جمائے مزید قریب آیا اور پھر ایک دم بازو بڑھا کے چاقو اس کے اندر گھونپ دیا۔ لمحے بھر کا عمل تھا۔سانپ کا سر کٹ کے نیچے جا گرا۔اور لمبا سا دھڑ دیوار پہ تڑپنے لگا۔

وہ تیزی سے باہر کو بھاگی۔ایڈم نے سر کے گرتے ہی اسے بوٹ تلے کچل دیا۔

وان فاتح نے اس کا تڑپتا دھڑ اٹھایا اور الٹ پلٹ کے بغور دیکھنے لگا۔چند سیکنڈ میں اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔

وہ ہراساں سی باہر کھڑی تھی۔رسی نما دھڑ اٹھائے وہ باہر آیا اور اسے دور اچھال دیا۔جنگل کے گھنے درختوں اور اونچی نیچی ڈھلان میں وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔پھر اس نے فرصت سے اس لڑکی کو دیکھا جو بار بار تھوک نگل رہی تھی۔اسے دیکھتا پا کے وہ دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔اگر آئندہ کہوں کہ میں تمہیں بچا لوں گا تو اس کا مطلب ہے' میں.... تمہیں...بچا لوں گا۔''

''ہاں۔جھوٹ تو صرف میں بولتی ہوں۔آپ سب تو بہت عظیم انسان ہیں۔'' اس کا جانے کیوں گلا رندھ گیا۔بھیگی آواز میں کہتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

چاندنی اتنی مدھم تھی کہ وہ چند قدم ہی آگے جا پائی۔پھر رکی۔(اگر یہاں بھی سانپ ہوئے؟ اوہ نو۔) وہ واپس پلٹی اور غار کی طرف قدم بڑھانے لگی۔مٹی گیلی تھی' اس لئے اس کے قدموں نے چاپ پیدا نہیں کی۔پتے تک نہیں کھڑکے۔وہ غار کے قریب تھی کہ سماعت سے آوازیں ٹکرائیں۔اندر فاتح اور ایڈم کچھ بول رہے تھے۔وہ رک کے سننے لگی۔ایڈم نے جانے منمنا کے کیا کہا تھا' کہ وہ جواب میں کہنے لگا تھا۔

''میں آئندہ کبھی نہ سنوں کہ تم اس کو اس کی پرانی زندگی کا حوالہ دے رہے ہو۔یاد رکھو' اس نے ہم سے سچ بولا ہے۔اس کے لئے بہت ہمت چاہیے ہوتی ہے۔''

وہ چونک کے غار کو دیکھنے لگی۔

''مگر سر' چند گھنٹے پہلے تک تو وہ اسی زندگی میں تھیں۔انہوں نے وہ چھوڑی تو نہیں ہے اور کیا معلوم وہ اب بھی کچھ نہ کچھ جھوٹ بول رہی ہوں۔''

''وہ جھوٹ نہیں بول رہی اب۔''

''ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اب سچ بول رہی ہیں۔''

''ہمیں پتہ چلانے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ہمیں صرف انسان کے اندر کی اچھائی پہ بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔کبھی کبھی کسی پہ ہمارا

یقین اس کو سچا بنا دیتا ہے۔ بہر حال' آئندہ میں تمہارے منہ سے نہ سنوں یہ سب۔'' تالیہ کا دل بھر آیا۔

''آئندہ؟'' ایڈم کا دماغ ایک ہی لفظ پہ اٹک گیا۔

''ہاں ایڈم....آئندہ! کیونکہ اس جنگل سے نکلنے میں ہمیں ابھی کافی وقت لگنا ہے....''

''کافی وقت کیوں؟''

''کیونکہ جنگل....زندہ ہوتا ہے۔''

غار کے باہر کھڑی لڑکی جہاں بہت سے بوجھ سے آزاد ہوئی' وہیں ایک بازگشت اسے چاروں طرف سنائی دینے لگی۔

جنگل زندہ ہوتا ہے۔ جنگل ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

رات لمحہ بہ لمحہ بیت رہی تھی۔

رات صدی بہ صدی بیت رہی تھی۔

اتنی سیاہ گھور اندھیر رات....لگتا تھا کبھی ختم ہی نہیں ہوگی۔ جنگل میں دور دور سے مسلسل آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پرندوں اور جانوروں کی۔ مگر وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ایڈم غار سے نکل آیا تھا اور باہر ایک پتھر پہ بیٹھا تھا۔ فاتح قریب میں ٹارچ سے روشنی ڈالے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ آستینیں چڑھا رکھی تھیں' اور انداز میں ٹھہراؤ تھا۔

تالیہ کافی فاصلے پہ بارش کے جمع ہوئے پانی کے جوہڑ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سیل کی ٹارچ اس نے جلا رکھی تھی' کہ جانے کب کوئی سانپ بچھو نکل آئے۔ جنگل زندہ تھا۔ احساس ہو گیا تھا۔ پتھروں کے نیچے....درختوں پہ....چٹانوں پہ رینگتے کتنے جانور اور کیڑے مکوڑے ان کے ساتھ موجود تھے۔ وہ جنگل کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔

اس کے پاس پانی کی ایک ہی بوتل تھی جس سے وہ تینوں پانی پی چکے تھے اور پانی ختم ہو چکا تھا۔ کولا کا کین بھی ختم ہو چکا تھا۔ شدید حبس اور گرمی ہو رہی تھی۔

''سر....'' ایڈم نے فاتح کو یوں پتھروں میں کچھ تلاش کرتے دیکھا تو پکار اٹھا۔ ''آپ اتنے آرام دہ کیسے لگ ہو گئے ہیں؟ میرا تو مارے مایوسی کے برا حال ہے۔'' وہ اداس لگ رہا تھا۔

''وان فاتح نے اس سے بڑے حادثے دیکھے ہیں' ایڈم۔''

''کیا آپ جنگلوں میں بہت آیا کرتے تھے؟ چھٹیوں وغیرہ میں....''

''تم نے تو ملٹری میں ٹریننگ لی ہے' تم سے زیادہ وقت نہیں گزارا ہوگا میں نے جنگلوں میں۔'' اس نے ایک لکڑی کی ٹہنی زمین

سے اٹھائی اور خنجر سے اسے کاٹا۔

تالیہ رخ موڑے پانی کے قریب بیٹھی تھی' البتہ کان وہیں لگے تھے۔خنجر سے ٹہنی کے کاٹنے کی آواز کی گونج پلٹ پلٹ کے سنائی دی تھی۔

''ملٹری کی یاد بھی تکلیف دہ ہے....'' ایڈم نے چہرہ ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''میں وہ سب بھلانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔''

''کیوں؟'' فاتح اس کے سامنے پتھر پہ آبیٹھا اور گھٹنے پہ ٹہنی رکھ لی۔ پھر خنجر سے اسے چھیلنے لگا۔

''کیونکہ مجھے نسلی تعصب کی وجہ سے وہاں سے نکالا گیا تھا۔ میں وہ سب نہیں بن سکا وہاں جو میرے دوست بنتے گئے۔''

''تو اس میں اتنا غمگین ہونے والی کون سی بات ہے؟ ہر انسان کسی نہ کسی مقام پہ جاب میں دھکا کھاتا ہے۔'' وہ اب سر جھکائے لکڑی کو مہارت سے خنجر سے چھیل رہا تھا۔ ایڈم نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''سر.... میری جاب چلی گئی' میرا کیریئر ختم ہو گیا۔ اس دھکے نے میری زندگی برباد کر دی۔''

''اور تم نے اس سے کیا سیکھا؟'' خنجر چلاتے ہوئے پوچھا۔ جواب نہیں آیا تو نظریں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔ ''کیا تم نے اس واقعے سے کچھ نہیں سیکھا؟''

تالیہ نے گھٹنوں سے چہرہ اٹھایا اور مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ میری زندگی کا ایک ٹریجک ترین واقعہ تھا۔''

''ایڈم' ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو چیزوں سے آزاد کر دیا تھا۔ ماضی کے غم اور (تالیہ کو کنکھیوں سے دیکھا۔) مستقبل کے خوف سے۔ کوئی برا واقعہ تمہارے ساتھ گزرا بھی ہے تو تم اس کو اپنا استاد بنا لو۔ بس۔ بات ختم۔''

''وہ کیسے؟''

''سوچو کہ یہ کیوں ہوا؟ اور اگلی دفعہ وہ کام نہ کرو۔ اس کو میچور ہونا یا گرو کرنا کہتے ہیں۔ کیوں تم لوگ پرانے غم سینے سے لگائے بیٹھے رہتے ہو۔ دنیا ماضی اور مستقبل کی قید سے آزاد لوگوں کی ہے۔'' چاقو کے لکڑی پہ چلنے کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔

''مگر مجھے لگتا ہے میں ایک ٹوٹل فیلیئر ہوں۔ میں بات بات پہ گلٹی فیل کرتا ہوں۔ یہ کیا بول دیا' یہ کیوں کر دیا۔''

تالیہ نے ناک سکوڑ کے چہرہ موڑ لیا۔ (گلٹی کا بچہ۔ اتنے دن میرے پیچھے پڑا رہا۔)

''یہ ان لوگوں کی نشانی ہے جو نہ خود سے پیار کرتے ہیں' اور نہ ہی خود پہ بھروسہ کرتے ہیں۔''

''میرے پاس خود سے پیار کرنے کے لئے کوئی وجہ ہی نہیں ہے' سر۔'' اس نے پھر سے چہرہ جھکا لیا۔

''تو پھر خود پہ بھروسہ کرنے کی وجہ ڈھونڈو۔ کسی کام میں تو تم بھی اچھے ہو گے۔'' وہ ٹہنی کو اب ایک طرف سے کاٹ رہا تھا۔ ایسی مہارت سے گویا ساری عمر یہی کام کرتا آیا ہو۔

''اگر ہوتا تو جاب نہ مل جاتی؟ میرا تو کوئی ٹیلنٹ ہی نہیں ہے۔''اس کی گردن ابھی تک جھکی تھی۔اطراف میں کھڑے اونچے درخت خاموشی سے ان کو دیکھتے رہے۔

''ہر انسان میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔تم میں بھی ہوگا۔مایوسی چھوڑو اور یاد کرو۔تم نے صباح کے جنگلوں میں تربیت لی ہے۔جنگل میں انسان کو جو معلوم ہوتا ہے' وہ اس کی جان بچاتا ہے' اور جو معلوم نہیں ہوتا (توقف کیا) وہ مار ڈالتا ہے۔''

اس کی آواز کی سنسنی اور رات کا اندھیرا۔تالیہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

ایڈم نے پیشانی کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔''مجھے کچھ بھی نہیں یاد۔ہم تربیت لیتے تھے۔ہمارے پاس گنز ہوتی تھیں۔ہم دشمن کا سوچتے تھے۔دشمن کے مورچے' باوردی سرنگیں۔''اس نے کراہ کے نفی میں سر ہلایا۔''میں ایک ٹوٹل فیلیئر ہوں سر۔''

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ لکڑی کو چھیلتا رہا۔ایڈم چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا' پھر لبوں کو جنبش دی۔''آپ کی بیٹی بھی پہاڑوں میں کھوئی تھی نا' سر۔''

خنجر سے لکڑی کو چھیلتے اس کے ہاتھ تھمے۔سوگواریت سے مسکرایا اور نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔''ہاں۔گینٹنگ ہائی لینڈ کے ٹریک پہ۔''

تالیہ پھر سے مڑ کے اس کو دیکھنے لگی۔اسے آریانہ کے ذکر پہ وان فاتح کے چہرے پہ جس دکھ کی توقع تھی' وہ وہاں نہیں تھا۔

''کیا آپ اس کے بعد دوبارہ بھی جنگل یا پہاڑوں میں گئے؟ آپ کو تکلیف نہیں ہوتی تھی؟''

''ظاہر ہے' میں گیا۔اور تکلیف کا علاج فرار سے نہیں کیا جاتا۔جو تکلیف دیتا ہے' اس سے بھاگ جاؤ تو کیا زخم بھر جائے گا؟ نہیں' بےوقوف انسان۔ماضی سے نکل کے حال میں جینے سے زخم بھرتے ہیں۔تالیہ....مجھے تمہارا کوٹ چاہیے۔''آخر میں گردن گھما کے پانی کی طرف دیکھا جہاں وہ گردن موڑے بیٹھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرا کوٹ کیوں؟''اس نے اچنبھے سے ساتھ رکھے کوٹ کو دیکھا جو گرمی کے باعث اس نے اتار دیا تھا' پھر اسے اٹھایا اور گول مول کر کے فاتح کی طرف اچھال دیا۔

''کیونکہ میں فیز تھری میں ہوں' اور تم دونوں ابھی فیز ون سے نہیں نکلے۔''کوٹ اس کے قریب گرا تو فاتح نے جھک کے وہ اٹھایا اور اسے الٹایا۔پھر اندر ایک جگہ خنجر رکھا۔''جنگل میں آنے کے بعد....تمہیں ملٹری میں بتایا گیا ہوگا ایڈم....انسان تین فیزز سے گزرتا ہے۔'' خنجر کو اندر گھونپا اور زور سے نیچے لایا۔کوٹ کی اندرونی لائننگ شڑپ کی آواز کے ساتھ کٹتی چلی گئی۔تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔(میرا رالف لارین کا کوٹ۔)

''فیز ون....جب انسان جنگل میں اترتا ہے' اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون سی دنیا میں آ گیا ہے۔خوف کا فیز۔''

اب وہ ہاتھوں سے لائننگ پھاڑ رہا تھا۔ریشمی کپڑے کے پھٹنے کی آواز دور دور تک جاتی اور بازگشت پلٹ کے سنائی دیتی۔

''فیز ٹو....جب اسے احساس ہوتا ہے کہ جنگل زندہ ہے۔ سانپ' بچھو' کیڑے....وہ اس کے فرش اور درختوں میں چھپ کر انسان کو دیکھ رہے ہیں۔''

تالیہ کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے۔وہ پانی سے ذرا دور سمٹی۔ایڈم نے اپنے پیر اونچے کر کے دوسرے پتھر پہ رکھ لیے۔

''اور فیز تھری!'' اس نے خنجر رکھ دیا اور کوٹ اٹھا کے دیکھا۔لائننگ کھل جانے کے باعث جو بڑا سا کپڑا بن گیا تھا۔''جب انسان جنگل سے لڑنے کا ارادہ ترک کر کے سمجھداری سے پلان بناتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے' اور کہاں جانا ہے۔بہتر ہوگا اگر تم لوگ جلد اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لو اور آگے کا سوچو۔'' وہ کوٹ اور ٹہنی اٹھائے کھڑا ہوا اور ٹارچ کی روشنی آگے پھینکتا ایک طرف چلتا گیا۔وہ دونوں گردنیں موڑ کے اسے جاتے دیکھتے رہے' یہاں تک کہ روشنی غائب ہوگئی۔

''فاتح صاحب کہاں گئے؟'' وہ بول اٹھا۔

''وہ اتنے مطمئن کیسے ہو سکتے ہیں؟'' وہ بڑبڑائی۔گردن اٹھا کے اطراف کو دیکھا جہاں مہیب' پراسرار درخت اسے دیکھ رہے تھے۔ زندہ درخت۔زندہ جنگل۔اسے جھرجھری آئی۔ایڈم بھی یہی سوچ رہا تھا مگر بولا نہیں۔

دور....کافی فاصلے پہ وہ ٹارچ کی روشنی آگے ڈالتا چلا جا رہا تھا۔سفید لباس والی آریانہ چپکے سے اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

''مجھے پتہ ہے ڈیڈ' آپ ان کے سامنے خود کو کتنا مضبوط ظاہر کریں' آپ خود بھی پریشان ہیں۔''

''ظاہر ہے میں پریشان ہوں' فرسٹریٹڈ ہوں' بلکہ وحشت زدہ ہوں۔'' وہ ایک درخت کے قریب رکا اور اس سے لگی موٹی ٹہنی کو چھوا۔

''تو آپ کو واقعی یقین ہے کہ آپ ان کو اس جنگل سے نکال لیں گے؟''

''میں نے تمہیں ہمیشہ کیا سکھایا ہے آریانہ؟'' وہ آرام سے بولتے ہوئے ٹہنی کو درخت سے اتارنے لگا جو بل کی صورت میں اس سے لپٹی ہوئی تھی۔''انسان امید نہیں چھوڑتا۔جتنے برے حالات ہوں' آنکھیں ہمیشہ 'انعام' پہ رکھنی ہوتی ہیں۔صبر کے میٹھے پھل پہ۔''

''Eyes on the Prize!'' وہ ہلکا سا ہنسی۔مگر اس کی ہنسی کی بازگشت نہیں سنائی دیتی تھی۔

''اور اگر میں ان دونوں کو ایک جنگل سے نہ نکال سکا....'' اس نے ٹہنی اتارتے ہوئے زخمی سا مسکرا کے آریانہ کو دیکھا۔''تو میں اپنے ملک کے کروڑوں لوگوں کو ان حالات سے کیسے نکالوں گا جس میں وہ جی رہے ہیں؟''

وہ مسکرا دی۔فاتح ٹہنی کے بل کھولنے لگا۔جب اسے اتار کے وہ مڑا تو آریانہ غائب ہو چکی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگا۔

'Eyes on the Prize'

☆......☆......☆

رات ایسی طویل تھی کہ کٹتی ہی نہیں تھی۔ اندھیرا چھٹتا ہی نہیں تھا۔ چاند کی روشنی پہنچتی ہی نہیں تھی۔ اس کے موبائل کی بیٹری گر رہی تھی مگر وہ پھر بھی اسے جلائے بیٹھی تھی۔ نیند کا احساس تو غالب نہیں آیا مگر اب بالآخر بھوک لگنے لگی تھی۔

پتھروں اور پتوں پہ بوٹ رکھنے کی آواز آئی تو وہ چونکی۔ فاتح اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ ذرا چونکی سی ہو کے بیٹھی۔ مڑ کے نہیں دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ والے پتھر پہ آ کے بیٹھا اور کوٹ کا ٹکڑا اس کو دکھایا۔

''تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں تھی؟''

اس نے اداس نظریں اٹھا کے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، توانکو۔'' آواز دھیمی تھی۔

''کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے؟''

''چاکلیٹ.....رکھتے رکھتے رہ گئی۔ اب بہت یاد آ رہی ہیں۔''

''صبح ہوتے ہی ہم کھانا ڈھونڈیں گے۔ فکر مت کرو۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''میں نے آپ کے گھر میں چوری کی ....آپ کو حالم بن کے دھوکہ دیا۔ گھائل غزال ....نیلامی....گھر خریدنا.... پینٹنگ بنانا....میں نے اتنے اسکام کیے اور آپ ایک دم میرے ساتھ اچھے ہو گئے ہیں۔ کیوں؟''

''کیونکہ تم نے مجھ سے سچ بولا ہے۔'' وہ اسی نرمی سے بولا تھا۔

''میرے پاس کوئی اور آپشن تھا کیا؟''

''تالیہ، اگر تم اب ہمیشہ...'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کیا لفاظ ادا کیے۔ ''مجھ سے سچ بولو گی....تو مجھے تم سے کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔''

''مگر آپ دل سے میری عزت نہیں کرتے نا۔'' وہ دکھی ہوئی۔ ''اگر ہم واپس گئے بھی تو آپ مجھے ایک دن میں ہی بھول جائیں گے۔''

''تمہیں واپس جانے کا یقین نہیں ہے؟'' رات کے اندھیرے میں وہ شخص سامنے بیٹھا تھا جس پہ ایک دوسری دنیا میں جانے کتنے لوگ فدا تھے۔ جس کا ایک ایک منٹ کیلکولیٹڈ ہوتا تھا۔ پولیٹیکل سیکرٹری کی ڈائری میں نوٹ شدہ۔ اور اب....وہ اس کے سامنے فرصت سے بیٹھا تھا۔ ایک تنہا جنگل میں۔ جہاں کرنے کو کوئی اور کام نہ تھا۔

''میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتی تھی، توانکو۔ ایڈم کی طرح میں ماضی میں بھی نہیں رہتی۔'' وہ سوگواریت سے پانی کو دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔ ''میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ پلان اے فیل ہوا، تو سی نہیں توڑی۔''

''اور بی؟''

''تالیہ کے پلان ہیں، تالیہ کی مرضی۔'' ذرا سے کندھے اچکائے۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''مگر اب میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔'' اس نے تھوڑی گھٹنوں پہ رکھ دی اور تالاب کو دیکھنے لگی۔ ''میں اتنے عرصے سے

ایک بڑی واردات کا انتظار کر رہی تھی۔ میرے مستقبل کے سارے خواب اس کے ساتھ جڑے تھے۔ پھر خزانے کا ذکر آیا تو مجھے لگا' یہی میرے سارے مسئلوں کا حل ہے لیکن اب.... جب خزانہ نہیں ہے تو میرا مستقبل ہی ختم ہو گیا ہے۔ مجھے کوئی امید نہیں رہی۔''

''تم مستقبل کے خوف کا شکار ہو۔ یہ ماضی کے غم جیسا ہی برا ہوتا ہے۔'' وہ افسوس سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اندھیر جنگل خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اور دور بیٹھا ایڈم بھی۔

''آپ کو مستقبل سے خوف نہیں آتا؟''

''مثلاً کس چیز سے؟''

''جب آپ وزیرِ اعظم نہیں بنیں گے تو جو جگ ہنسائی اور شرمندگی ہوگی۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ آپ وزیرِ اعظم نہیں بن سکتے' تو انکو۔''

''اچھا'' وہ دلچسپی سے مسکرایا۔ ''اور میں وزیرِ اعظم کیوں نہیں بن سکتا۔''

''کیونکہ آپ سیاسی طور پہ مضبوط نہیں ہیں۔ سیاستدان آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ آپ ان جیسے داؤ پیچ آزمانا نہیں جانتے۔ آپ....'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ بے بسی بھرے غصے سے۔ ''آخر آپ کیوں لڑ رہے ہیں سیاسی جنگیں آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ آپ نے ہار جانا ہے۔ آپ سب چھوڑ کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ملک سے چلے کیوں نہیں جاتے؟''

''تم نے کبھی فٹبال میچ دیکھا ہے؟'' وہ اسی طرح دلچسپی سے مسکراتا گویا ہوا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا۔

''جی تو انکو۔ دیکھا ہے۔''

''ایک دفعہ میں امریکہ میں ایک میچ دیکھنے گیا۔ بچپن کی بات ہے۔ جانتی ہو ایک ٹیم نے چار گول کر لیے تھے' اور دوسری کے گول صفر تھے۔ میچ کے آخری تین منٹ تھے اور دوسری ٹیم کے کھلاڑی آخری حد تک مقابلہ کر رہے تھے۔ بار بار حملہ کرتے۔ ہمت ہارے بغیر۔ تین منٹ میں ان کو جیتنے کے لیے پانچ گول چاہیے تھے۔''

''وہ تین منٹ میں پانچ گول تو نہیں کر سکتے تھے' پھر کیوں؟''

''یہی تو میں نے سوچا.... سب کو معلوم ہے کہ پہلی ٹیم جیت جائے گی' پھر دوسری ٹیم آخری سیکنڈ تک کیوں لڑ رہی ہے؟ ہتھیار ڈال دے اور بس کر دے۔ اور پھر پہلی ٹیم جیت بھی گئی لیکن آخری سیکنڈ تک دوسری ٹیم کے لڑکے جواں مردی سے لگے رہے۔''

خاموش مگر زندہ جنگل سن رہا تھا۔ ایک ایک حرف کو بغور پرکھ رہا تھا۔ وان فاتح کہے جا رہا تھا۔

''مگر جب میں بڑا ہوا اور میں نے دنیا دیکھی تو مجھے احساس ہوا کہ.... لڑائی صرف جیتنے کے لئے نہیں لڑی جاتی۔ دوسری ٹیم ہتھیار ڈالتی' تو بھی ہار جاتی۔ آخری منٹ تک مقابلہ کرتی تو بھی ہار جاتی۔ پھر بھی اس نے لڑنے کو اس لئے چنا کیونکہ جب ہم لڑ کے ہارتے

ہیں تو ہم اس سے کچھ سیکھتے ہیں۔“

تالیہ کا موبائل پتھر پہ پڑا چمک رہا تھا اور اس کی روشنی فاتح کے چہرے کو منور کیے ہوئے تھی۔

”پھر ہم اپنی غلطیوں کا جائزہ امید کے ساتھ لیتے ہیں اور اگلی دفعہ زیادہ جذبے سے میدان میں اترتے ہیں۔ زندگی میں یا ہم نیچے جا رہے ہوتے ہیں‘ یا اوپر۔ ہمیں ہر لمحہ خود کو اپنے کیریئر‘ رشتوں‘ اور عمل میں بہتر کرنا ہوتا ہے۔ جہاں ہم رکے.... وہاں ہم (ہاتھ سے اشارہ کیا) نیچے گئے۔“

”آپ کو اس بھیانک جنگل میں کون سی امید نظر آ رہی ہے؟ میری تو زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔“

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ شدید مضطرب اور چڑچڑی دکھائی دیتی تھی۔

”تم نے کہا تم ان کاموں کو چھوڑ دینا چاہتی تھیں۔ کیوں؟“

”کیونکہ میں تنگ آ گئی تھی۔“ وہ دبا دبا سا چلائی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ ”میں لوگوں کو دھوکے دے دے کر‘ ان سے جھوٹ بول بول کر بے زار آ چکی تھی۔ مجھے سکون چاہیے تھا۔“

”گڈ۔ اب تمہیں یہاں کسی سے جھوٹ نہیں بولنا پڑے گا۔“

تالیہ مراد بالکل ٹھہر گئی۔ گم صم۔ لاجواب۔

”یو سی....“ وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھا۔ ”تم یہاں بنا خوف و خطر سچ بول سکتی ہو۔ یہاں کوئی پولیس نہیں ہے۔ اگر یہ واقعی پندرہویں صدی ہے تو یہاں کوئی تمہیں اکیسویں صدی کے جرائم کے لئے نہیں پکڑے گا‘ تالیہ۔ تم نئے سرے سے سب شروع کر سکتی ہو۔“

اس کے کھڑے ہوتے ہی آسمان کا وہ ذرا ذرا سا حصہ جو گھنے درختوں سے نظر آتا تھا‘ سفید پڑنے لگا۔ سورج کی پہلی کرنیں درختوں کے بیچ سے گزر کے جنگل کے فرش پہ پڑیں تو وہ دنگ رہ گئی۔

رات کو بالآخر صبح نے مات دے دی تھی‘ رات دم توڑ گئی تھی۔ کیا واقعی؟

وہ تو سمجھنے لگی تھی کہ دنیا سے سارے اجالے ختم ہو گئے تھے مگر.... نہیں....

اس نے چونک کے وان فاتح کو دیکھا جو اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا.... امید ابھی بھی باقی تھی۔

اس کے چہرے پہ مغموم مسکراہٹ بکھر گئی۔ فاتح کو دیکھتے ہوئے اس نے سر کو خم دیا۔ گویا کچھ باتیں دماغ میں بیٹھی تھیں۔

”میں کچھ کھانے کے لئے ڈھونڈتا ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے مڑا اور درختوں کی قطار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ یکدم رکا اور ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ کوئی جھکی ہوئی نوکیلی شاخ اس کے ہاتھ کی پشت کو کھرچ گئی تھی۔ جنگل میں ہر طرف سب کچھ اتنا نوکیلا اور تیز تھا کہ بچنا ناممکن تھا۔

وہ رک کے اپنا ہاتھ دیکھنے لگا۔ سطح پہ معمولی سا کٹ لگا تھا اور خون کے دو قطرے بہے تھے۔

''تو انکو!'' وہ پریشانی سے کھڑی ہوئی۔ ''آپ کو زخم آیا ہے۔''

''ذرا سا کٹ ہے۔''

''آف کورس مجھے پتہ ہے کہ یہ ذرا سا کٹ ہے مگر یہ اوپن wound ہے اور ہم جنگل میں ہیں۔ یہ تو septic ہو جائے گا۔'' وہ اٹھی اور فکرمندی سے کہتی قریب آئی۔

ایڈم جو ابھی تک سامنے اداس سا بیٹھا تھا' بس سر اٹھا کے دیکھنے لگا۔ افسوس اور مزید اداسی سے۔

''امید ہے septic نہیں ہوگا۔'' فاتح نے ہاتھ نیچے کر لیا اور عام سے انداز میں تسلی دی مگر وہ پریشانی سے اسے دیکھتی رہی۔

''میرے پاس تو صرف اوزار ہیں۔ کوئی اینٹی سپٹک ساتھ رکھنے کی عادت ہی نہیں ڈالی کبھی خود کو۔ اب کیا ہوگا؟ ہم تو ان چھوٹے چھوٹے زخموں سے ہی مر جائیں گے۔'' صبح کی پھیلتی سفیدی بھی اس کی امید کو ناامیدی میں بدلنے سے نہ روک سکی۔

ایڈم بن محمد نے ایک دم سر اٹھایا۔ ''antiseptic'' وہ بڑبڑایا۔

دونوں نے گردنیں موڑ کے اسے دیکھا۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ کھڑا ہوا تھا۔

''ہمیں اینٹی سپٹک کی کیا ضرورت ہے؟ ہم رین فوریسٹ میں ہیں۔ یہ قدرت کی سب سے بڑی میڈیسن کیبنیٹ ہے۔'' چونکنے ہوئے انداز میں ایڈم اپنی ایڑیوں پہ گھوما۔ گول چکر کی صورت اس نے چاروں طرف دیکھا۔

(رین فاریسٹ اور جنگل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جنگل میں درخت بھی ہوتے ہیں' آسمان بھی دکھائی دیتا ہے اور زمین پہ پودے اور جھاڑیاں بھی اُگی ہوتی ہیں۔ رین فاریسٹ کے درخت اتنی گنجلک ہوتے ہیں' اور اوپر جا کے اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی کینوپی سی بن جاتی ہے۔ سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکتی۔ سو زمین پہ پودے اور جھاڑیاں کم کم ہوتے ہیں۔ اور درخت بارش کے پانی کے باعث نشوونما پاتے ہیں۔)

وہ جو پہلے درختوں سے اٹا جنگل دکھائی دے رہا تھا.... ایک دم وہ کچھ اور دکھائی دینے لگا.... مختلف قسم کے پتے.... مختلف قسم کی لکڑیاں.... کہیں کہیں اُگے جنگلی پھول.... جڑی بوٹیاں.... ہر شے جیسے چمکنے لگی تھی.... ان کے نام.... ان کے کام.... صبح کی سفیدی نے ذہن کو کسی اور طرح سے بیدار کر دیا تھا۔

''ملائیشیاء کے رین فاریسٹ میں دس ہزار سے زیادہ اقسام کے پودے اور درخت ہوتے ہیں۔ یہ تو قدرت کی پوری فارمیسی ہے۔'' وہ مسحور سا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم؟'' وہ مشتبہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''سیرئیسلی چے تالیہ.... آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟'' وہ تیزی سے فاتح کے قریب آیا جو غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کا

ہاتھ اٹھا کے دیکھا۔

"ہمیں جنگل میں سکھایا گیا تھا کہ کیا کھانا ہے اور زخم پہ کیا لگانا ہے اور میں خود جڑی بوٹیوں سے اپنے دمے کا علاج کرتا تھا۔ میرے پاس ایک کتاب بھی تھی۔" اس نے فاتح کا ہاتھ اٹھا کے معائنہ کیا۔ "آپ کا اوپن wound ہے۔ اس کے لئے ہمیں...." اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ "destroyer پلانٹ کے پتے چاہیے ہیں۔ رین فاریسٹ میں اس کی بہتات ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے سفید پھولوں والا یہ پودا کل اس طرف دیکھا تھا۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

"اور ساتھ میں کچھ کھانے کے لئے بھی۔" فاتح مسکرا کے اس کا جوش دیکھ رہا تھا۔

ایڈم کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔ وہ بے کار اور ناکام نہیں ہے' یہ خیال اس کے اندر بجلیاں بھر رہا تھا۔ اس نے جلدی سے تالیہ کا خنجر اٹھایا اور آگے بڑھ گیا۔ پھر ذرا ٹھہرا اور قریب میں ایک پودے کے پتوں کو توڑ مروڑ کے ان کا رخ موڑ دیا۔ چند قدم آگے بڑھا اور قطار میں ایک اور پودے کے پتے مروڑ کے موڑے۔

"یہ کیا کر رہا ہے؟" وہ ابھی تک شک سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ راستے پہ نشانیاں چھوڑ رہا ہے۔ تاکہ واپس آسانی سے پہنچ جائے۔ وہ خود پہ بھروسہ کرنا سیکھ رہا ہے۔ جو اسے معلوم ہے' وہ جان بچائے گا' جو نہیں معلوم' وہ جان لے سکتا ہے۔" وہ کمر پہ ہاتھ رکھے مسکرا کے اسے دور جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ "تم فکر مت کرو۔ وہ کھانے کے لئے کچھ لے آئے گا۔ پھر ہم اگلا لائحہ عمل تیار کریں گے۔"

"اوکے!" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرائی۔ چلو شکر ہے وہ صحرا میں نہیں تھے' بلکہ جنگل میں تھے۔ یہاں مختلف پھل مل جائیں گے کھانے کے لئے۔ پانی کے تازہ جھرنے بھی کہیں بہہ رہے تھے' آواز آ رہی تھی۔ یہ بارش کے پانی کا جوہڑ تو گندا تھا' مگر جھرنے تک جب وہ جائیں گے تو خوب سیر ہو کے پی لیں گے۔

اس نے خود کو تسلی دی۔

جنگل میں اچھی خاصی روشنی پھیل چکی تھی۔ درخت کافی اونچے تھے اور اوپر جا کر ان کے پتے آپس میں گلے مل رہے تھے' گویا سبز سی چھت بنا رکھی تھی۔ سبز چھت کے درمیان بڑے بڑے سوراخوں سے روشنی چھاؤں کی صورت اندر آتی لیکن گرمی اور حبس بلا کا تھا۔

روشنی سنہری ہو گئی تھی جب ایڈم واپس آیا۔ اپنی اوپری شرٹ اس نے اتار دی تھی اور اب صرف سیاہ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ دوسری شرٹ میں جانے کون سے پتے اور جڑی بوٹیاں بھر لایا تھا۔

فاتح وہیں پتھر پہ بیٹھا تھا۔ ایڈم نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک پتے کو مروڑ کے اس کا رس زخم پہ لگایا۔

"یہ کسی بھی اینٹی سپٹک سے زیادہ تیزی سے اثر کرے گا۔" وہ جوش سے بتا رہا تھا۔

''تھینک یو ایڈم!'' وہ مسکرا کے اس کا انداز دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ کھڑا ہوا اور ایک پتے میں کچھ لپٹا ہوا تالیہ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کھانے کے لئے ہے۔'' تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے بھاری سا وہ پتا پکڑا اور ساتھ پتھر پہ بیٹھی۔ گھٹنوں پہ پتا رکھ کے کھولا تو مسکراہٹ غائب ہوئی۔

پتے پہ ایک قطار سے کوئی انگلی جتنی چیزیں رکھی تھیں۔ پہلے اسے اچنبھا ہوا۔ گردن جھکائی۔ پھر ان چیزوں کے پر' ٹانگیں باز و نظر آئے تو وہ بلبلا کے کھڑی ہوئی۔

''یہ تو Grass hoppers ہیں۔'' بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔ ''تم.... تم گراس ہوپرز لائے ہو؟''

''ریلیکس چے تالیہ! ان کے سر کاٹ دیے تھے میں نے۔ اب آپ کھا سکتی ہیں۔ میں نے بھی دو کھائے ہیں۔ ادھر یہی ملے گا۔''

وہ گردن پہ ہاتھ رکھتی دور ہٹی۔ اسے متلی ہونے لگی تھی۔ ''دور ہو جاؤ تم مجھ سے ایڈم!''

''گراس ہوپر میں انرجی ہوتی ہے۔ میں نے اتنی مشکل سے پکڑے ہیں۔ انرجی نہیں ہو گی تو آپ زیادہ دیر چل نہیں سکیں گی۔''

''چپ کر جاؤ' ایڈم!''

''وہ درست کہہ رہا ہے۔ جنگل سے لڑتے نہیں ہیں' تالیہ۔ آنکھیں بند کر کے کھا لو۔''

''گراس ہوپرز؟'' اس نے صدمے سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ ''پورے جنگل میں اس کو صرف گراس ہوپرز ملے؟ کوئی پھل' کوئی سبزی.... کچھ نہیں ملا؟''

''چے تالیہ.... میں کتنا چل سکتا تھا؟ مجھے سامنے یہی نظر آیا۔ اور یہ جنگل نہیں ہے۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔''

''میں.... میں جھرنے کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس کا اندر کھول رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑی۔ جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی' اس طرف بڑھی۔

''سوری مگر آپ جھرنے کا پانی نہیں پی سکتیں۔ نہ بارش کا پانی پی سکتی ہیں۔'' وہ اب اپنے پتے اور پھول جوڑ رہا تھا جیسے اپنی میڈیسن کیبنٹ سے بہت خوش ہو۔

وہ تلملا کے پلٹی اور گھور کے اسے دیکھا۔ ''وہ کیوں؟''

''کیونکہ وہ پانی صاف نہیں ہوتا۔ اس میں جراثیم اور پیرا سائیٹ ہوتے ہیں۔ اس کو ابالے بغیر نہیں پیا جا سکتا اور درختوں کی لکڑی اتنی گیلی ہے کہ ہم اسے جلا بھی نہیں سکتے۔'' تالیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ امید پھر سے نا امیدی میں بدلنے لگی۔

''تو ہم پانی کیسے پیئیں گے؟ ہم کیسے زندہ رہیں گے؟'' خاموش کھڑے درختوں کی ہیبت پھر سے طاری ہونے لگی۔

''یہ ٹہنیاں...'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ جانے بانس کا درخت تھا یا کیا' اس کی سیدھی سیدھی ٹہنیاں تھیں۔ جیسے بھوری لکڑی کی ڈنڈیاں ہوں۔

''ان کو کاٹیں گے تو اندر سے پانی نکلے گا۔ تازہ خالص پانی۔ تم وہ پی سکو گی۔''

تالیہ چپ ہو گئی۔ پھر ایک ناپسندیدہ نظر پتے پہ قطار میں رکھے گراس ہوپرز پہ ڈالی جن کے سر کٹے ہوئے تھے۔ (بدتمیز انسان نے رکھے بھی کیسے سجا کے ہیں۔)

''مگر... یا اللہ.... میں یہ کیسے کھا سکتی ہوں؟''

''اچھا؟ میں تو سمجھا تھا تم ایوریج فیری ٹیل گرل نہیں ہو۔'' وہ سادگی سے بولا۔ سفید شرٹ گدلی ہو رہی تھی مگر چہرہ جھرنے سے ابھی دھو کے آیا تھا اور تازہ دم مسکرا رہا تھا۔ گیلے بال ہاتھ سے پیچھے کو کر دیے تھے۔

تالیہ نے لب بھینچ لیے۔ وہ دونوں اب پہلے سے زیادہ آرام دہ نظر آتے تھے۔ فیزٹو۔

''میں .... ایوریج فیری ٹیل گرل.... ہوں بھی نہیں۔'' وہ چبا چبا کے بولی اور قریب آئی۔ پتے سے ایک مرا ہوا گراس ہوپر اٹھایا۔ (آخ تھو) مگر ساری کراہیت کو اندر دبائے' اس نے وہ منہ میں ڈال لیا۔ آنکھیں زور سے میچیں اور چبایا۔

کرنچی.... کرسپی اور انتہائی بدذائقہ۔ یا اللہ۔ مگر کراہ تک منہ سے نہیں نکالی۔ آخری لقمہ حلق سے اتارتے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے مگر وہ اسے چباتی گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

''مجھے نہیں معلوم میرے بابا کو کس سے خطرہ تھا جو انہوں نے مجھے ایک دوسری دنیا میں بھیج دیا' لیکن خدا کی قسم' جس دن مجھے وہ شخص ملا جس نے میرے گاؤں اور میرے بابا کو ان مسائل کا شکار کیا تھا' میں اس کی جان لے لوں گی۔'' بے بسی بھرے غصے سے بول رہی تھی۔ حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔

''گڈ۔ تمہارے پاس پلان ہے فائنلی۔ خیر۔ میرے پاس بھی پلان ہے۔'' فاتح اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی چھوٹی آنکھوں میں ڈھیر ساری امید تھی۔

''ہمیں STOP کرنا ہے۔ ایس ٹی او پی۔ ایس سے stop۔ ٹی سے think۔ او سے observe اور پی سے plan۔ ہم جب بھی جنگل جاتے تھے.... اس STOP تدبیر کے ذریعے اگلا لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔''

وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑا کہہ رہا تھا اور وہ دونوں اس کو سن رہے تھے۔

''ہم اسٹاپ اور تھنک کے مرحلے سے نکل آئے ہیں۔ اب مشاہدہ کرنا اور پلان کرنا ہے۔ اس لیے سنو۔''

☆......☆......☆

(ہم اس وقت جنگل میں ہیں' اور جنگل سے نکلنے کا واحد راستہ اس کے سب سے اونچے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے۔)

وہ تینوں درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔ لمبی قمیض اور الجھے بالوں والی تالیہ بیگ اٹھائے سب سے پیچھے تھی اور وان فاتح سب سے آگے۔

(ہمیں اونچائی کی طرف سفر کرنا ہے' جہاں سے ہم دیکھ سکیں کہ جنگل سے نکلنے کا راستہ کیا ہے اور وہاں سے کسی کو مدد کے لئے پکار سکیں۔ یقیناً آس پاس آبادی ہوگی۔)

ایڈم چلتے ہوئے پتے موڑ رہا تھا۔ فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے متلاشی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا اور وہ سب سے پیچھے نڈھال سی چلتی جا رہی تھی۔

(ہم ایک دن میں جنگل میں ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں چل سکیں گے۔ زمین سلیپری ہے' پیر پھنس جاتے ہیں۔)

زمین پہ سرخ بھوری مٹی گیلی تھی۔ اس میں پتھر' پتے' ٹہنیاں سب بکھرا ہوا تھا۔ وہ بدقت قدم اٹھا پا رہی تھی۔ بار بار کوشش کرنی پڑتی۔ اونچائی کو جاتے درخت خاموشی سے وقت کے ان تین مسافروں کو نم زمین پہ اوپر چڑھتے دیکھ رہے تھے۔

(چونکہ جنگل زندہ ہے' ہمیں ڈنڈوں اور جوتوں کی آوازوں کے ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کو اپنی آمد کی خبر کرنی ہوگی تاکہ وہ چھپ جائیں۔ وہ صرف ڈر کے حملہ کرتے ہیں۔ جب وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو دور ہٹ جائیں گے۔)

ان تینوں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں جو دراصل درختوں کی موٹی ٹہنیاں تھیں اور وہ ان کو زمین پہ رکھتے ہوئے قدم اٹھا رہے تھے۔ پتوں اور پتھروں پہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ جنگل کا معاملہ عجیب تھا۔ درخت کے تنے پہ اگر آواز پیدا کرو' یا ذرا سا جھٹکا دو' تو اوپر شاخوں تک جا کر وہ آواز کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ نیچے تھوڑی سی حرکت اوپر جاتے جاتے اتنے شور بن جاتی۔

(ہمیں بہت سارا پانی پینا ہوگا۔ ٹہنیوں کو توڑ کے ہم رات بھر کے لئے ان کو بوتل پہ اور پتوں کے برتنوں میں الٹا کھڑا کر دیں گے۔ صبح تک کافی پانی جمع ہو جائے گا۔)

وہ ایک درخت کے پاس رکے کھڑے تھے۔ ایڈم ٹہنیاں کاٹ کاٹ کے ان کو دے رہا تھا۔ تالیہ نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کے ٹہنی منہ پہ لٹکائی تو قطرہ بہ قطرہ پانی اندر گرنے لگا۔ تھوڑا اور آہستہ۔ مگر تازہ صاف پانی تھا۔

(یہ تالیہ کے کوٹ سے میں نے مچھلی پکڑنے کے لئے جال بنایا ہے' اگر ہم اس سے مچھلیاں پکڑ سکیں تو ہمیں گراس ہوپرز کی ضرورت نہیں پڑے گی)

وہ ایک جھرنے کے کنارے بیٹھے تھے۔ ایڈم چند کیڑے خنجر پہ اٹھائے' پانی پہ چھڑک رہا تھا۔ فاتح نے ایک ٹہنی کا loop سا بنایا' انگریزی حرف P کی طرح' اوپر کپڑا چڑھا کے بازو اور اس 'جال' کو پانی میں ڈال دیا۔ اس کے نم بال ماتھے پہ بکھرے تھے' جن کو وہ بار بار

ہاتھ سے پیچھے کرتا تھا۔ وہ پتھر پہ بیٹھی اس کو دیکھے گئی۔ وہ اس لئے دیے اور سپاٹ سیاستدان سے مختلف نظر آ رہا تھا جس سے وہ چند دن پہلے ملی تھی۔ مگر تب اور اب میں فرق تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا۔ گرد آلود قمیض، چہرہ بھی میلا۔ سنہری چوٹی سے نکلتے بال۔ وہ سوشلائیٹ، وہ طرحدار امیرزادی.... وہ غائب ہو گئی تھی۔

(مگر ہو سکتا ہے کہ ہمیں مچھلی نہ ملے اور ہمیں انہی کیڑوں پہ گزارا کرنا پڑے۔)

فاتح نے ٹہنیوں اور کپڑے کا جال پانی سے باہر نکالا تو وہ خالی تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیے۔ اس جھرنے کی مچھلیاں بہت تیز اور ہشیار تھیں۔ ہاتھ نہیں آ رہی تھیں۔

(ہم زیادہ دیر جھرنے کے پاس رک نہیں سکیں گے۔ اگر مچھلیاں ہاتھ نہ آئیں تو ہمیں آگے بڑھتے رہنا ہوگا۔ ہر چند قدم پہ درختوں کی اقسام بدل جاتی ہے۔)

وہ اب گھنے اور موٹے تنے والے درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔ ایڈم ایک درخت کے پاس رکا اور قدرے جوش سے کچھ بتانے لگا۔ وہ برے منہ کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔ وان فاتح سنتے ہوئے بار بار چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتا تھا۔

(ہو سکتا ہے ہمیں یہاں کوئی اور درخت مل جائیں جیسے ivory palm۔ اس کا پھل تمہارے کھانے کے قابل ہوگا، تالیہ۔)

ایڈم ایک پپیتے کی شکل کے پھل کو کاٹ کے اندر کا گودا اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے برے دل کے ساتھ تھاما اور منہ میں رکھا۔ یہ بھی بدذائقہ تھا۔ یا اس کے منہ کا ذائقہ ہی کڑوا ہو چکا تھا۔ اُف وہ مرجانا چاہتی تھی۔

(رات کو سونے کے لئے ہم ان سانپ بچھوؤں کے ساتھ جنگل کے فرش کو شیئر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں hammock بنانے ہوں گے۔)

شام اتر آئی تھی، مگر روشنی کافی تھی۔ وہ ایک جگہ رکے ہوئے تھے اور لکڑیاں جوڑ رہے تھے۔ تالیہ ٹہنیاں کاٹ رہی تھی۔ فاتح لکڑی کے دو پول زمین میں گاڑھے ان کے درمیان ٹہنیوں کا جھولا بنا رہا تھا۔ بار بار وہ رک کے رسی نما ٹہنی کھینچتا اور اس کی مضبوطی چیک کرتا۔ یہ جھولا زمین سے چار پانچ فٹ اونچا تھا۔

(مچھر بہت زیادہ ہیں یہاں اور ایڈم کا کہنا ہے کہ ہمیں چیونٹیوں کی بنائی سرخ مٹی جو وہ پتوں کو توڑ توڑ کے بناتی ہیں، خود پہ لگانی ہوگی تاکہ مچھر اور کیڑے دور رہیں۔ یہ مٹی ابھی تک نظر نہیں آئی۔ چند میل کے سفر میں مل ہی جائے گی۔)

رات جنگل پہ چھائی تھی۔ وہ لکڑی کے دو پولز کے درمیان بنے ٹہنیوں کے جھولے پہ لیٹی تھی اور کھلی آنکھیں دور اوپر درختوں کے پتوں سے پار نظر آتے سیاہ آسمان پہ جمی تھیں۔ اس کے چہرے پہ سرخ مٹی لگی تھی۔

(اور جب ہم اس جنگل سے نکل جائیں گے، تو ہمیں ملاکہ جانا ہوگا۔)

صبح کی سفیدی پھیلی تھی اور وہ جھرنے کے پاس بیٹھی ہاتھ منہ دھو رہی تھی۔ ایڈم قریب بیٹھا کسی ٹہنی کو چبا کے سوچنے رک جاتا۔ وہ مختلف پودوں کو ٹیسٹ کر رہا تھا کہ کون سا کھانے کے قابل ہے۔ وان فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا پانی کے لئے ڈنڈیاں کاٹ رہا تھا۔

(ملاکہ یہاں سے کتنا دور ہے مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ہمیں ملاکہ جانا ہوگا اور تالیہ کے والد کو ڈھونڈنا ہوگا۔)

کڑی دوپہر میں وہ خاموشی سے درختوں کے درمیان اوپر چڑھتے جا رہے تھے۔ بیگ اب فاتح نے اٹھا رکھا تھا۔ چہروں اور بازوؤں پہ سرخ مٹی لگی تھی۔ شکلیں میلی اور بدنما ہو رہی تھیں۔

(فی الحال تو آسمان نظر نہیں آ رہا مگر جیسا کہ تالیہ کا کہنا ہے' اس کے باپا نے اسے ستاروں سے گاؤں کا راستہ سمجھایا تھا' ہم جب جنگل سے نکلیں گے تو ستاروں سے راستہ ڈھونڈ لیں گے۔)

ایک اور رات اتر آئی تھی' اور وان فاتح ٹہنیوں کے بستر پہ لیٹا تھا۔ ہاتھ میں اس نے اپنا بٹوہ کھول رکھا تھا جس میں آریانہ کی تصویر لگی تھی۔ اس نے تصویر سے اندر جھانکا۔ پاپ کارن کے دو دانے اندر چھپے ہوئے تھے۔ پھر اس نے تاریخ دیکھی۔ آج کاغذاتِ نامزدگی جمع ہونے شروع ہو گئے ہوں گے۔ وقت کم رہ گیا تھا۔)

(مراد ایک شکار باز ہے۔ اگر وہ پہلے چابی بنا سکتا تھا تو وہ اب بھی چابی بنا لے گا۔ اس چابی کے ذریعے ہم واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔)

جنگل میں روشنی پھیلی تھی اور وہ تینوں فاصلے فاصلے پہ بیٹھے تھے۔ تالیہ نے چہرہ گھٹنوں پہ گرا رکھا تھا اور فاتح ایک ٹہنیوں کے گٹھے کو جوڑ رہا تھا۔ ایڈم دور بیٹھا اپنے موبائل پہ تصویریں آگے آگے کرتا جا رہا تھا۔ باپ' ماں' فاطمہ.... اس کے دوست.... عید کی تصویریں.... عید کے پکوان... محلے کی دوکان۔ بیٹری ایمپٹی۔ ٹون بجی اور موبائل بجھ گیا۔ پرانی زندگی سے تعلق کی جو ڈور بندھی تھی' وہ ٹوٹ گئی۔

(میرا نہیں خیال کہ تالیہ تم نے جو ہما ہم تینوں کے سر پہ دیکھا تھا' وہ حکومت یا بادشاہی کی علامت تھا۔ ہما پرندہ کچھ اور چیزوں کی علامت بھی ہوتا ہے۔)

رات کے اندھیرے میں جنگل کے درخت خاموش کھڑے تھے اور وہ ٹہنیوں کے جھولے پہ سکڑ کے لیٹی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پہ سرخ مٹی ہنوز لگی تھی۔ آنکھیں ویران تھیں۔

''ہم سولہ جولائی کی رات دروازہ پار کر کے آئے تھے۔ کل بیس جولائی شروع ہو جائے گی۔''

ان دونوں کے بستر دور بنے تھے۔ مگر وہ اس کی آواز سن سکتے تھے۔ فاتح بستر پہ نہیں تھا۔ پتھروں پہ بیٹھا بٹوہ کھولے دیکھ رہا تھا۔

کسی نے تالیہ کو جواب نہیں دیا۔ ہر روز چل چل کے گرمی اور حبس سے توانائی ختم ہوتی جا رہی تھی۔

''بیس جولائی کو میری سالگرہ ہوتی ہے۔ جو یتیم خانے میں لکھوائی گئی تھی۔''

وہ دونوں خاموش رہے۔ وہ اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔

''مگر میری طرح میری سالگرہ بھی جعلی ہی ہوگی۔'' ایک آنسو آنکھ سے نکلا' کنپٹی پہ بہتا نیچے ٹپکا' اور جنگل کے فرش پہ جا گرا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔ درخت خاموش رہے۔ دور پتھروں اور غاروں میں چھپے سانپ بچھو خاموش رہے۔

(ہما صرف خوش بختی یا حکومت کی علامت نہیں ہوتا۔ یہ اپنی راکھ سے دوبارہ جنم لینے والا پرندہ ہے۔ یہ rebirth کی علامت ہے۔ نئی زندگی کا نشان۔

نئی دنیا' نئے زمانے میں ایک دوسری زندگی کی پیش گوئی)

☆......☆......☆

اونچے درختوں کے پتوں سے چھن کے آتی روشنی نے جنگل منور کر رکھا تھا۔ وہ تینوں قطار میں چلتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔ اب سامنے سیدھی زمین شروع ہوگئی تھی۔ درخت اتنے زیادہ اور قریب قریب اُگے تھے کہ چند میٹر سے آگے کیا ہے' دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ نڈھال سی چل رہی تھی۔ ڈنڈہ زمین پہ مارتی.... بے جان قدم اٹھاتی۔

''ایڈم.... کیا ہم ان پودوں میں سے کچھ کھا سکتے ہیں؟'' فاتح سب سے آگے چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں سر۔ ان پودوں میں سفید اور پیلی berries ہیں' یہ زہریلے ہوں گے۔ اور مشروم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر زہریلے ہوتے ہیں۔''

وہ بڑی سمجھداری سے بتاتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔ تالیہ تنک کے اس کی پشت کو دیکھتے چل رہی تھی۔

''اور یہ ان پودوں کے پتے بہت چمکیلے ہیں' سر۔ یہ بھی زہریلے ہیں۔ اور یہ والا میں نے اس لئے نہیں توڑا کیونکہ اس کے پتے تین تین کے گروپ میں ہیں۔ اور جن پودوں کے پتے تین تین کے گروپ میں ہوں' وہ کھانے کے لائق نہیں ہوتے اور یہ والے جو اس طرف ہیں۔'' وہ اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ ''یہ پہلے بھی گزر رہے تھے۔ ان سے بادام کی خوشبو آتی ہے اور یاد رکھیے گا' کبھی بھی بادام کی خوشبو والے پودے سے کچھ نہیں کھاتے کیونکہ....''

''کیونکہ وہ زہریلا ہوتا ہے۔'' وہ تلخی سے پیچھے سے بولی۔ ''ایڈم تمہارے اس جنگل میں کچھ ہے جو زہریلا نہ ہو۔''

''ریلیکس کریں چے تالیہ۔ ہم اس جنگل میں آپ کی وجہ سے....'' (وان فاتح نے گردن موڑی تو گڑبڑا کے بولا) ''نہیں ہیں۔ ہم اپنی وجہ سے ہیں۔'' آواز دھیمی کر لی۔ فاتح نے ایک تنبیہی نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ جاتا مگر تالیہ مراد نے ایک دم اپنا بیگ پھینکا اور ان دونوں کے سامنے آئی۔

''اسے کہنے دیں' تو انکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔'' وہ درد سے چلائی تھی۔ منہ پہ مٹی لگی تھی اور سنہری بال گول مول پونی میں باندھ رکھے

تھے۔ٹراؤزر کے پائنچے کیچڑ آلود تھے اور قمیض کے دامن پہ کانٹے لگے تھے۔

''تالیہ....'' اس نے رسان سے پکارنا چاہا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''آپ دونوں اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔ میں ذمہ دار ہوں' میں قصوروار ہوں۔ ہم چار دن سے اس جنگل میں بھٹک رہے ہیں' ہم گراس ہوپرز' ٹرمائیٹ اور عجیب عجیب سے پودے کھا رہے ہیں' یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔ یہ سب میرے لالچ کا انجام ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔ ''چ تالیہ' میرا یہ مطلب نہیں تھا....''

''میرے پاس پلان ہوتا تھا تو انکو' میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔ کیونکہ میں چار دن سے گلٹی فیل کر رہی ہوں۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتی گئی۔ گردن جھکا دی اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

''اب میرا ذہن بلینک ہو گیا ہے۔ ساری تدبیریں' سارے راستے کھو گئے ہیں۔ داتن نے مجھے کتنا منع کیا' مگر میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔ یہ میری سزا ہے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی تھی۔ وہ دونوں سامنے کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں کمزور اور تلخ نہیں تھی۔ میں بہت بہادر اور مضبوط تھی۔ میں ہر مسئلے کا حل نکال لیتی تھی مگر اب.... میرا دل اتنا بوجھل' اتنا دکھی ہے کیونکہ میں نے آپ دونوں کی زندگی بھی خراب کر دی ہے۔ اس کو بولنے دیجیے' تو انکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔''

فاتح نے لکڑیوں کی گٹھی پرے پھینکی اور اس کے سامنے جھکا' جیسے بڑا کسی بچے کے سامنے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکتا ہے۔

''Make a wish!''

تالیہ نے ہاتھ ہٹا کے بھیگے چہرے سے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

''آج تمہاری سالگرہ ہے۔ کوئی خواہش کرو۔''

وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ آنسو سرخ مٹی والے چہرے پہ نہروں کی صورت بہہ رہے تھے۔

''تم بتاؤ تالیہ.... تمہیں اس وقت سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہے؟''

''میں واپس کے ایل جانا چاہتی ہوں' اور ایک اچھی زندگی....''

''اونہوں.... وہ تمہاری ضرورت ہے۔ میں خواہش پوچھ رہا ہوں۔''

''خواہش!'' اس نے آنکھیں بند کیں تو آنسو ابل کے گردن تک لڑھکتے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

''میں ملاکہ کے ہوٹل فریج سے چاکلیٹ رکھتے رکھتے رہ گئی تھی۔ میں نے آپ کے گھر کے سامنے والے کیفے میں بھی ہاٹ چاکلیٹ آرڈر کر کے اَن چھوا چھوڑ دیا تھا۔ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے' تو انکو۔'' وہ پھر سے رونے لگی تھی۔ اسے اپنی بے بسی پہ غصہ آ رہا تھا۔ رحم

بھی آ رہا تھا۔ وہ اتنی کمزور کیسے پڑ سکتی تھی؟

''کتنی کیلوریز ہوں... مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے بس بڑا سا چاکلیٹ کیک کھانا ہے۔ اتنی... اتنی ساری چاکلیٹ!'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتایا۔ وہ چند لمحے جھکے کھڑا اسے دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ قریب میں ایک موٹے تنے کا درخت لگا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے ایک پھل توڑا جو سخت خول میں تھا۔ دیکھ کے ہی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔ پھر فاتح نے اسے چاقو سے کاٹا اور اندر سے سفید گودا کا خنجر پہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ اس گودے میں سخت سخت سے بیج نظر آ رہے تھے۔

''تم تصور کرو' یہ چاکلیٹ ہے۔ تصور کرنے سے یہ واقعی تمہیں چاکلیٹ لگے گی۔ اور تم اسے شکر کر کے کھا لو۔'' وہ دوستانہ انداز میں سفید شے بڑھائے ہوئے تھا جو دیکھنے سے ہی بدمزہ لگتی تھی۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''یاد ہے تم نے کہا تھا... کہ اگر کبھی مجھ پہ ایسا وقت آیا کہ میرے ساتھ ملے قوم میں سے سوائے ایک کے کوئی نہ کھڑا ہو تو تم اپنی پوری سچائی سے کہتی ہو کہ تم وہ ایک شخص ضرور ہو گی۔ اس لیے کیونکہ تم مجھے اپنا لیڈر مانتی رہی ہو۔ اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تم اس کو شکر ادا کر کے کھا لو۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا' آنسو پونچھے اور کھڑے ہوتے ہوئے خنجر لے لیا۔ پھر اس گودے کو (اُف) تھوڑا سا منہ میں ڈالا اور بند ہونٹوں سے ذرا سا چبایا۔

ایک دم اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

''یہ تو... یہ تو چاکلیٹ ہے۔'' اس نے بےیقینی سے اس گودے کو دیکھا۔ خوشبو' ذائقہ... سب چاکلیٹ والا تھا۔ ایسا لذیذ نرم مادہ جو منہ میں جاتے ہی گھل گیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے تالیہ۔ اور سالگرہ اسی دن ہوتی ہے جس دن ہم اسے مناتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے کہتا آگے بڑھ گیا۔

''مگر یہ کیا تھا؟ تو انکو؟ وان فاتح؟'' وہ حیران سی پکار رہی تھی مگر وہ آگے جا رہا تھا۔

''آپ ذرا سا صبر کر لیتیں تو میں بتانے والا تھا چے تالیہ کہ میں ان زہریلے پودوں کو اس لئے نہیں ہاتھ لگا رہا کیونکہ سامنے cocoa کا درخت ہے۔ اس کا بیج چاکلیٹ بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ کڑوا ہوتا ہے مگر یہ گودا میٹھا ہوتا ہے۔ پھولوں جیسا میٹھا۔ سر کو آپ سے زیادہ درختوں کی پہچان ہے۔''

ایڈم اس کا بیگ اٹھاتے ہوئے گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

وہ چند لمحے بےیقین رہی' پھر اس کی آنکھوں میں خوشی اور کوئی انہونی کیفیت ابھری۔ وہ دوڑ کے اس درخت کے پاس گئی۔ وہ اونچا بڑا اقدیم درخت اپنی شاخوں پہ ایسے ڈھیروں پھل لادے ہوئے تھا۔ جانے اس میں اتنی توانائی کہاں سے آ گئی۔ وہ تیزی سے آگے

بڑھی اور بلی کی طرح شاخ پہ چڑھ گئی۔

آگے جاتے فاتح کے قریب آتے ایڈم نے سرگوشی میں کہا۔"چاکلیٹ حلق میں جاتی ہے تو دماغ میں وہ ہارمون ریلیز ہوتے ہیں جو ہمیں خوشی دیتے ہیں۔ریلیکس کرتے ہیں۔امید ہے چے تالیہ کا موڈ اب اچھا ہو جائے گا۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"آپ کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟"وہ خفگی مگر اعتماد سے کہتا آگے بڑھ گیا جہاں ایک ٹیلے پہ سرخ مٹی نظر آ رہی تھی۔اسے پوٹلی میں مزید وہ 'مچھر مار دوا' بھرنی تھی۔

تالیہ ابھی تک درخت پہ چڑھی اپنی قمیض کے دامن میں وہ بہشتی پھل اکٹھا کر رہی تھی۔مٹی سے اَٹے چہرے پہ مسکراہٹ اور رونق واپس پلٹ رہی تھی۔

☆......☆......☆

دھوپ تیز ہوگئی تھی۔گرمی اور حبس بڑھ گیا تھا۔وہ تینوں قریب قریب چلتے جا رہے تھے۔ایک دم چھایا سی چھا گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ وہاں ہر روز اتنی دفعہ بارش برستی تھی کہ اب ان کو کسی سایے کی تلاش ہی نہ رہی تھی۔بس ایک درخت تلے آ کھڑے ہوئے۔پھوار یہاں بھی ان کو بھگوئے جا رہی تھی۔

فاتح نے گھڑی دیکھی۔"سورج ڈوبنے میں ابھی پون گھنٹہ ہے۔"پھر آسمان کو دیکھ کے کچھ سوچنے لگا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟"وہ چونکی۔اس نے اپنے پھٹے ہوئے کوٹ میں بہت سے کوکو کے پھل باندھ کے اٹھائے ہوئے تھے۔

"کیونکہ میں نے اپنی گھڑی صبح صادق پہ اندازے سے سیٹ کر دی تھی۔"جواب میں خاموشی رہی تو اس نے ان دونوں کو دیکھا۔

"کیا تم لوگوں کی گھڑیاں ابھی تک ایل کے وقت کے مطابق ہیں؟"

"ہم نے کون سا یہاں ہمیشہ رہنا ہے' تو انکو۔"وہ خفیف سی ہو کے بولی۔

"اور مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ شاید ہم اس جنگل سے نکلیں تو سامنے ملائیشیا ہی ہو۔شاید ہم اپنے زمانے کے ہی کسی جنگل میں کھوئے ہوئے ہوں۔"وہ اب مایوس نہیں تھا۔بس اس کی امیدیں کسی اور طرح کی تھیں۔

فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔وہاں اونچائی پہ کچھ بلند و بالا درخت اگے تھے۔

"سنولڑکی...!"اس نے سوچتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔"تم Cat burglar ہو نا؟"

"بہت شکریہ یاد دلانے کے لیے۔"اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یاد رکھو....جو تمہیں معلوم ہے' وہ تمہاری جان بچائے گا۔"وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔"وہ درخت دیکھ رہی

ہو؟" اس نے بارش میں بھیگتے اونچے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔" میرے خیال میں یہ اس جنگل کا سب سے بلند ترین مقام ہے۔ تمہیں دیواروں پہ چڑھنے کی عادت ہوگی۔ بارش تھمے تو تم اس درخت پہ چڑھ کے وہ اوپر اس کی چوٹی تک جاؤ گی اور وہاں سے تمہیں دور دور تک کا سارا علاقہ دکھائی دے گا۔"

"او کے مگر مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"تمہیں دیکھنا ہوگا کہ جنگل سے نکلنے کا قریبی راستہ کون سا ہے۔ میدانی علاقہ کس طرف ہے۔ کوئی انسان آس پاس ہے یا نہیں۔ پھر ہم اسی سمت میں سفر کریں گے۔"

"اور اگر ہر طرف درخت ہی درخت ہوئے' تو؟"

"تو آپ یہ دیکھئے گا چے تالیہ کہ آس پاس کوئی جنگل ہے یا نہیں۔ ہم جنگل کی طرف چلے جائیں گے۔"

"عقلمند' ہم پہلے ہی جنگل میں کھڑے ہیں۔"

"یہ جنگل نہیں ہے گو کہ ہم اس کو جنگل کہہ رہے ہیں۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔ بعض دفعہ بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان چند میل کا علاقہ رین فاریسٹ بنا ہوا ہوتا ہے۔" ایڈم رسان سے سمجھا رہا تھا۔" اگر ہم کسی جنگل میں نکل جائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ وہاں پہ جانور اور پرندے ہوں گے جن کا ہم شکار کر سکتے ہیں۔ اور پھل بھی ہوں گے۔ آسمان بھی نظر آئے گا۔"

"اچھا بس کرو۔ ایسے بولتے جا رہے ہو جیسے مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔" اس نے ہونہہ کر کے ناک سکوڑی۔" تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے میں نے کتنے کام کیے ہیں زندگی میں۔ اور ہاں.... مجھے شکار کرنا بھی آتا ہے۔"

"آپ کے والد شکاری جو تھے۔"

"اور لکڑہارے بھی۔ میں پچھلی زندگی میں بھی غریب تھی اور نئی زندگی میں بھی ایک عرصہ غریب رہی۔ ہاؤ فنی۔"

وہ تینوں درختوں کے ساتھ کھڑے تھے اور بارش آس پاس برسے جا رہی تھی۔ تالیہ مکمل طور پہ بھیگ چکی تھی مگر اب بارش سے فرق پڑنا ختم ہو گیا تھا۔ وہ تھمی تو وہ دونوں آگے بڑھ گئے' مگر وہ وہیں رکی رہی۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

"تالیہ۔" فاتح نے پلٹ کے پکارا تو وہ چونکی۔

"کیا ہوا؟" اس نے غور سے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ ابھی نیند سے جاگی ہے۔

"میں نے دیکھا' وہ میرے گاؤں کے لوگوں کو پکڑ رہے تھے۔" وہ کسی اور کیفیت میں تھی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"کیا دیکھا تم نے؟ مجھے بتاؤ۔"

"وہ سپاہی میرے گاؤں سے پمبو رو کو چن چن کے گرفتار کر رہے تھے۔ وہ ان کو قید میں ڈال کے مار دیں گے۔ اب وہ میرے

گھر آ رہے تھے۔ وہ میرے بابا کو بھی پکڑ کے لے گئے۔ اسی لیے میں نے چابی اٹھائی۔" وہ چونک گئی۔"میرے بابا نے مجھے نہیں بھیجا۔ وہ تو قید میں ڈال دیے گئے ہیں۔ میں خود گئی تھی دروازے کے پار۔ تاکہ مدد لے کر آؤں اور اپنے گاؤں والوں کو قید میں مرنے سے بچاؤں۔"

اس نے نڈھال سے انداز میں اپنا سر تنے کی پشت سے ٹکا دیا۔

"کس کی قید سے؟ کیا تم نے کچھ سنا کہ تمہارے بابا کو کس نے قید کیا ہے؟"

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ حیران سی لگ رہی تھی۔"وہ بنداہارا اور شہزادی کے سپاہی تھے۔ شہزادی تاشہ کے۔"

لمحے بھر کو جنگل میں سکوت چھا گیا۔ چڑیوں کی آوازیں بھی پسِ منظر میں چلی گئیں۔

"شہزادی تاشہ کے سپاہی؟" وان فاتح رامزل بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ تالیہ نے سر ہلایا۔

"وہ سب کہہ رہے تھے کہ شہزادی ظالم ہے۔ اس نے سارے گاؤں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ سوری تو انکو' شہزادی تاشہ اتنی حسین تو ہے جتنی وہ تاریخ کی کتابوں میں بتائی جاتی ہے کہ اس دن میں نے خواب میں اس کو مجسمہ بناتے دیکھا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت حسین لگتی تھی۔ لیکن وہ نہ اتنی رحم دل ہے نہ ہی اتنی اچھی جتنا آپ اس کو سمجھتے تھے۔" اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔"شہزادی تاشہ ذمہ دار ہے میرے گاؤں اور میری تباہی کی۔ خدا کی قسم میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے مجھ سے میری سارے خواب لے لیے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے لوگ اس کے بارے میں یونہی کہہ رہے ہوں' شاید وہ اتنی بری نہ ہو۔" وہ فوراً مدافعانہ انداز میں بولا تھا مگر تالیہ کی آنکھوں میں کچھ سلگنے لگا تھا۔

"شہزادی کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔ وہ ذمہ دار ہے اس سب کی۔ اس نے میرے بابا کو قید میں ڈالا ہوا ہے۔ چار دن پہلے میں اس دنیا سے گئی تھی۔ یہاں وقت نہیں گزرا۔ چار دن سے میرے بابا اس کی قید میں ہیں۔ خدا کی قسم میں اس کو نہیں چھوڑوں گی۔"

پھر اس نے کلائی اوپر کی اور آستین تلے چھپی گھڑی باہر نکالی۔"مجھے بتائیے یہاں کیا وقت ہوا ہے۔ مجھے وقت کے سارے حساب کتاب ابھی سے طے کرنے ہیں۔"

اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں اور آواز رندھ رہی تھی۔

بارش ایک دفعہ پھر سے سلطنتِ ملاکہ کے اس جنگل پہ برسنے لگی تھی۔



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔